Majallah-yi Talim o Tahqiq

Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem,
Sector H-15, Islamabad, Pakistan

مجلہ تعلیم و تحقیق

مرکز تعلیم و تحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ۔۱۵، اسلام آباد، پاکستان

ISSN (P): 2618-1355, **ISSN (Online):** 2618-1363

Issue 4,Vol 4, October-December,2022

شمارہ ۴، جلد ۴، اکتوبر—دسمبر، ۲۰۲۲

ٹرانس جینڈر اشخاص کے حقوق کے تحفظ کا قانون: ایک تجزیاتی مطالعہ

Transgender Persons (Protection of Rights) Act, 2018:
An Analytical Study

محمد مشتاق احمد♥

Abstract

Abstract:

In 2018, Parliament in Pakistan passed the Transgender Persons (Protection of Rights) Act and it is generally assumed that the purpose of this law is to protect the rights of eunuchs. However, the critics of this law claim that it has paved the way for sexual anarchy and homosexuality. They also point out that this law was passed stealthily and surreptitiously which is an indication of the problems in it. Several Shariat Petitions have been filed in the Federal Shariat Court since 2018 against this law challenging it on basis of repugnancy with Islamic Injunctions but the Court has not yet given judgment on these petitions. In November 2021, Senator Mushtaq Ahmad Khan of *Jamaat-e-Islami* Pakistan introduced a bill in the Senate of Pakistan for amending this law but it has not yet been approved by the Senate. When the said bill came on the agenda of the Senate's Standing Committee on Human Rights in September 2022, the issue became came a point of concern for the public and since then it has been widely debated in electronic, print and social media. Detailed arguments have been provided for and against this law. The present paper analyzes these arguments and chalks out a strategy for amending or repealing this law as well as for introducing a law based on Islamic Injunctions for the protection of the rights of intersex persons and eunuchs who genuinely feel aggrieved and persecuted in our society.

Keywords:

Transgender, Eunuch, Intersex, Islamic Injunctions, Constitution

♥پروفیسر قانون، شفاء تعمیر ملت یونیورسٹی، اسلام آباد (mushtaq.dsl@stmu.edu.pk)

تمہید

2018ء میں پاکستان کی پارلیمان نے ماورائے صنف اشخاص (حقوق کا تحفظ) قانون کے عنوان سے ایسا قانون منظور کیا ہے جس کے متعلق کہا تو یہ جاتا ہے کہ اس کے ذریعے خواجہ سراؤں کے حقوق کے تحفظ کی کوشش کی گئی ہے لیکن اس قانون کے ناقدین کا کہنا ہے کہ اس کے ذریعے جنسی بے راہ روی اور بالخصوص ہم جنس پرستی کے لیے گنجائش پیدا کی گئی ہے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ قانون جس خاموشی سے اور جس جلدی میں منظور کیا گیا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں واقعتاً مسائل ہیں۔ 2018ء میں ہی اس قانون کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں اس بنیاد پر درخواستیں دائر کی گئی ہیں کہ یہ قرآن وسنت میں مذکور احکام اسلام سے متصادم ہے، لیکن تادمِ تحریر ان درخواستوں پر شرعی عدالت نے فیصلہ نہیں سنایا۔ نومبر 2021ء میں اس قانون میں ترمیم کے لیے جماعتِ اسلامی کے سینیٹر مشتاق احمد خان نے ترمیمی بل سینیٹ میں پیش کیا ہے لیکن ابھی تک سینیٹ میں وہ بل منظور نہیں ہو سکا ہے۔ البتہ جب ستمبر 2022ء میں سینیٹ کی قائمہ کمیٹی میں اس بل پر بحث شروع ہوئی، تو اس کے بعد سے یہ معاملہ قومی سطح پر میڈیا میں بہت تفصیل سے زیرِ بحث آیا۔ اس قانون کے خلاف اور اس کے حق میں بہت کچھ کہا اور لکھا گیا۔ زیرِ نظر مقالے میں کوشش کی گئی ہے کہ اس قانون کے متعلق فریقین کے دلائل کا تفصیلی تجزیہ کر کے نتائج تک پہنچا جائے اور اگر اس قانون کی منسوخی یا اس میں ترمیم ضروری ہے، تو اس کے متعلق اور اس کے بعد کی صورتِ حال کے لیے مناسب آئینی و قانونی لائحۂ عمل تجویز کیا جائے تاکہ نہ صرف جنسی بے راہ روی اور ہم جنس پرستی کا راستہ روکا جائے بلکہ معاشرے میں ظلم کے شکار خنثیٰ اور خواجہ سرا افراد کے حقوق کا تحفظ بھی یقینی بنایا جائے۔

دو اصولی نکات

پہلی اصولی بات یہ ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے؛[1] اس کا ریاستی مذہب اسلام ہے؛[2] یہاں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے اور پارلیمان سمیت تمام ریاستی و حکومتی اداروں کے پاس اختیارات کی حیثیت مقدس امانت کی ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کے پابند ہیں؛[3] یہاں لوگوں کو آزادی اور دیگر حقوق میسر ہوں گے، لیکن "جیسا کہ اسلام نے دیے ہیں"؛[4] یہاں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایسا معاشرتی ماحول فراہم کرے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے مطابق بسر کر سکیں؛[5] یہاں کوئی قانون اسلامی احکام سے متصادم نہیں بنایا جا سکتا اور جتنے رائج الوقت قوانین ہیں، ان کو اسلامی احکام سے ہم آہنگ کرنا لازم ہے؛[6] یہاں قوانین میں اصلاحات کے لیے جو لا اینڈ جسٹس کمیشن بنایا گیا ہے، اس پر بھی لازم ہے کہ نئی قانون سازی کے لیے تجاویز دیتے ہوئے سماجی انصاف کے متعلق اسلامی اصولوں کی پابندی

[1] آئینِ اسلامی جمہوریۂ پاکستان، 1973ء، دفعہ 1۔

[2] ایضاً، دفعہ 2۔

[3] آئین کی دفعہ 2-اے۔

[4] ایضاً۔

[5] ایضاً۔ مزید دیکھیے، ایضاً، دفعہ 31(1)۔

[6] ایضاً، دفعہ 227۔

کرے؛[7] اور یہاں عدالتوں پر لازم ہے کہ کسی بھی قانون کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے، یعنی اس کا مفہوم متعین کرتے ہوئے، یہ یقینی بنائیں کہ قانون کا مفہوم اسلامی احکام سے متصادم نہ ہو۔[8]

اس لیے ہر قانون کے متعلق یہ بحث اٹھانی لازم ہے کہ یہ اسلامی احکام سے متصادم ہے یا نہیں؟ جب تک اس ملک کے آئین اور قانون کی اسلامی شناخت ختم نہیں کر دی جاتی، اس سوال سے جان نہیں چھڑائی جاسکتی۔ واضح رہے کہ سپریم کورٹ کئی فیصلوں میں قرار دے چکی ہے کہ آئین کی اسلامی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے صرف چند دفعات میں ترمیم کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے نیا آئین بنانا ہوگا اور نیا آئین بانٹنے کے لیے موجودہ پارلیمان کے پاس اختیار نہیں ہے، بلکہ نئی آئین سازی کے لیے عوام سے باقاعدہ اختیار لے کر آنا پڑے گا۔[9] اس لیے اس ملک میں ہر قانون کا اسلامی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔

دوسری اصولی بات یہ ہے کہ کسی قانون کے اسلامی احکام سے متصادم ہونے یا نہ ہونے کے مسئلے پر لوگوں کی آرا مختلف ہو سکتی ہیں لیکن ریاستی سطح پر ہم نے اس مقصد کے لیے دو ادارے بنائے ہیں: ایک اسلامی نظریاتی کونسل[10] اور ایک وفاقی شرعی عدالت۔[11] کونسل قانون سازی کے مرحلے پر، قانون بننے سے قبل بھی، اپنی رائے دے سکتی ہے، جبکہ شرعی عدالت کا کام قانون بن چکنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ گویا قانون بننے کے مرحلے میں اگر یہ سوال اٹھے کہ اس قانون کی کوئی شق اسلامی احکام سے متصادم ہے یا نہیں، تو کونسل اس سوال کا جواب دینے کے لیے موجود ہوتی ہے، جبکہ قانون بن چکنے کے بعد اس کے خلافِ اسلام ہونے یا نہ ہونے پر فیصلہ دینے کے لیے شرعی عدالت کے پاس اختیار ہے۔

کونسل اس سوال کے جواب میں جب اپنی رائے دیتی ہے، تو اس کی حیثیت تجویز اور سفارش کی ہوتی ہے، جبکہ شرعی عدالت کے فیصلے کو الزامی (binding) حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کونسل کی سفارش پر غور کرنا پارلیمان پر لازم ہے،[12] خواہ غور کے بعد وہ اسے قبول کرے یا نہ کرے،[13] لیکن شرعی عدالت نے اگر قانون کو یا اس کی کسی شق کو اسلامی احکام سے متصادم قرار دیا تو اسے ماننا پارلیمان پر بھی اور سپریم کورٹ سمیت تمام عدالتوں پر ماننا لازم ہو جاتا ہے، الا یہ کہ اس کے خلاف سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ میں اپیل دائر کی جائے۔[14]

---

[7] لا اینڈ جسٹس کمیشن آف پاکستان آرڈی نینس، 1979ء، دفعہ 6(1)۔

[8] قانونِ نفاذِ شریعت، 1991، دفعہ 4۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل مشرف کی روشن خیال اعتدال پسندی کے دور میں کی جانے والی 17 ویں ترمیم کے ذریعے آئین میں بہت ساری ترامیم کی گئیں لیکن اسلامی دفعات کو ہاتھ نہیں لگایا جاسکا۔ اسی طرح جب 18 ویں ترمیم کے موقع پر پورے آئین پر نظرِ ثانی کر کے اس کی "اوور ہالنگ" کی کوشش کی گئی، اس وقت بھی اسلامی دفعات کو جوں کا توں چھوڑا گیا۔

[9] مثال کے طور پر دیکھیے، **المجاہد ٹرسٹ بنام وفاق پاکستان**، پی ایل ڈی 1996 سپریم کورٹ 324۔ یہ مقدمہ بنیادی طور پر اعلیٰ عدلیہ میں ججز کی تعیناتی کے متعلق تھا اور اس میں سپریم کورٹ نے آئین کی بنیادی ڈھانچے کا ذکر کیا ہے جن میں تبدیلی کے لیے صرف آئینی ترمیم نہیں بلکہ نئی آئین سازی کی ضرورت ہوگی۔ اس بنیادی ڈھانچے کا ایک اہم جزو آئین کا اسلامی تشخص ہے۔ بعد میں بھی کئی مقدمات میں سپریم کورٹ نے اس اصول کی تائید کی ہے۔ مثال کے طور پر فوجی عدالتوں کے متعلق آئینی ترمیم کے متعلق مقدمہ دیکھیے: **ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن راولپنڈی بنام وفاق پاکستان**، پی ایل ڈی 2015 سپریم کورٹ 401۔

[10] آئین کی دفعات 227-231۔

[11] ایضاً، دفعات 203-اے تا 203-جے۔

[12] ایضاً، دفعہ 230(4)۔

[13] البتہ اگر پارلیمان، صوبائی اسمبلی، صدر یا گورنر نے کونسل سے کسی قانون پر رہنمائی طلب کی اور اس کے جواب میں کونسل نے اس قانون کو اسلامی احکام سے متصادم قرار دیا، تو پارلیمان، صوبائی اسمبلی، صدر یا گورنر (جس نے بھی رہنمائی طلب کی ہو) پر لازم ہوگا کہ وہ اس قانون پر نظرِ ثانی کرے (ایضاً، دفعہ 230(3)۔

[14] ایضاً، دفعہ 203-ڈی۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ کونسل کی سفارشات ماننا لازم نہ سہی، ان پر غور تو لازم ہے، لیکن اس کے باوجود اس موضوع پر کونسل کی سفارشات کو پارلیمان نے سرے سے درخورِ اعتنا سمجھا ہی نہیں۔ سینیٹ کی سٹینڈنگ کمیٹی برائے حقوقِ انسانی نے بھی اس قانون کے مسودے پر غور کرتے ہوئے کونسل کی سفارشات کو اہمیت نہیں دی۔[15] شرعی عدالت میں اس قانون کے خلاف درخواست زیرِ التوا ہے اور اس کا فیصلہ ہونے میں بہت عرصہ لگے گا۔ پھر جب شرعی عدالت فیصلہ دے بھی دے، تو اس کے بعد اپیل کا مرحلہ آئے گا اور اپیل کا فیصلہ ہونے تک شرعی عدالت کا فیصلہ معطل رہے گا۔[16]

اس قانون میں ترمیم پر بحث کو مؤخر کرنے کے لیے ایک عذر یہ بھی پیش کیا گیا کہ چونکہ اس قانون کے خلاف درخواست شرعی عدالت میں دائر کی جا چکی ہے، اس لیے یہ معاملہ اب "subjudice" ہے، یعنی عدالت کے سامنے زیرِ غور ہے، اور اس لیے اس کو کسی اور فورم پر اٹھایا نہیں جا سکتا۔ یہ عذر بے بنیاد ہے۔ کوئی ایسا قانون یا اصول نہیں ہے جو پارلیمان کو اس قانون میں ترمیم سے روک سکے۔ شرعی عدالت میں درخواست گزار نے یہی اعتراض کیا ہے کہ یہ قانون اسلامی احکام سے متصادم ہے۔ تو اگر پارلیمان ہی اس اعتراض پر بحث کرنے کے بعد مناسب اور ضروری سمجھے تو قانون میں ترمیم کر لے، تو اس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ پھر تو درخواست گزار کا اعتراض ہی ختم ہو جائے گا اور عدالت میں دائر کیا گیا مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ توہینِ رسالت کے قانون ہی کی مثال لے لیجیے۔

سپریم کورٹ کے سینیئر وکیل اسماعیل قریشی نے جنرل محمد ضیاء الحق کو فریق بنا کر وفاقی شرعی عدالت میں درخواست دائر کی کہ جنرل صاحب نے اپنے صدارتی احکام کے ذریعے مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان میں توہینِ صحابہ، توہینِ امہات المؤمنین اور توہینِ اہل بیت پر سزائیں مقرر کی ہیں لیکن توہینِ رسالت پر سزا نہیں ہے۔[17] شرعی عدالت نے اس درخواست کی سماعت کی اور فیصلہ محفوظ کر لیا لیکن یہ فیصلہ سنانے کی نوبت کبھی نہیں آئی کیونکہ اس دوران میں پارلیمان نے مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان میں دفعہ 295-سی کا اضافہ کر کے توہینِ رسالت پر موت یا عمر قید مع جرمانے کی سزائیں مقرر کر دیں۔ اس لیے یہ کوئی عذر نہیں ہے کہ چونکہ اس قانون کے خلاف درخواست عدالت میں زیرِ غور ہے، تو پارلیمان اس قانون میں ترمیم کے لیے بل پر غور نہ کرے۔

ان دو اصولی نکات کے بعد چند بنیادی اصطلاحات کی توضیح بھی ضروری ہے کیونکہ ان اصطلاحات کے غلط استعمال کی وجہ سے کئی بنیادی قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔

ٹرانس جینڈرز یا خواجہ سرا: اصطلاحات کی توضیح

اس موضوع پر بات کرنے سے قبل بعض اصطلاحات کا مفہوم واضح کرنا ضروری ہے کیونکہ میڈیا میں عموماً ٹرانس جینڈر کو خواجہ سرا کہا جاتا ہے اور اس قانون کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے خواجہ سراؤں کے حقوق کا تحفظ کیا جا رہا ہے۔

---

[15] کمیٹی کی سفارشات پر مختصر بحث نیچے آ رہی ہے۔

[16] آئینِ پاکستان، دفعہ 203-ڈی، ذیلی دفعہ 2 میں 1984ء میں ایک شرط کا اضافہ کیا گیا جس کی رو سے شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف جوں ہی اپیل دائر ہو جاتی ہے، یہ فیصلہ معطل ہو جاتا ہے۔ اس شرط نے شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کو عضو معطل بنا دیا ہے۔ اس لیے جب سینیٹ کی سٹینڈنگ کمیٹی برائے حقوق انسانی نے اپنی میٹنگ منعقدہ ستمبر 2022ء میں سینیٹر مشتاق احمد خان کو یہ مشورہ دیا کہ اگر وہ اسے اسلامی احکام سے متصادم سمجھتے ہیں، تو اس کے خلاف شرعی عدالت میں جائیں، تو انھوں نے کہا کہ وہاں تو تیس سال لگ جائیں گے، اور اگر آپ تیس سال تک اس قانون کو منجمد کر سکتے ہیں، تو پھر میں پارلیمان میں ترمیمی بل پیش کرنے کے بجائے شرعی عدالت کے فیصلے کا انتظار کر لوں گا! اس پر ظاہر ہے کہ انھیں ہاتھ کھڑے کرنے پڑے کیونکہ وہ کبھی اس قانون کو معطل کرنا پسند نہیں کریں گے۔

[17] اس مقدمے کا عنوان ہے: **اسماعیل قریشی بنام جنرل محمد ضیاء الحق** (شریعت پٹیشن نمبر ا/ایل/84 آف 1984ء)۔

خود اس قانون میں ہی دیکھیں، تو اس میں خنثیٰ، خواجہ سرا اور ماورائے صنف کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔[18] خنثیٰ (intersex) کی تعریف اس قانون میں یوں کی گئی ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کی جنسی علامات پائی جائیں، جبکہ خواجہ سرا (eunuch) کی تعریف یہ پیش کی گئی ہے کہ یہ وہ مرد ہے جس کا جنسی عضو کاٹ لیا گیا ہو یا اسے نامرد بنا دیا گیا ہو۔ اس کے بعد اصل ماورائے صنف (transgender) کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف کی وجہ سے اپنے لیے وہ صنف چنتا ہے جو اس کی جسمانی جنس سے مختلف ہو۔ اس قانون میں خنثیٰ اور خواجہ سرا کا ذکر تو محض بھرتی کے لیے ہے۔ اصلاً یہ قانون بنا اس مؤخر الذکر نوع، یعنی ماورائے صنف اشخاص، کے لیے ہے جو اپنی جسمانی جنس (sex) سے مختلف صنف (gender) اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

اس نوع کے تصور پر غور کریں، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین مفروضوں پر قائم ہے:

ایک یہ کہ جنس اور صنف ایک دوسرے سے الگ حقیقتیں ہیں؛

دوسری یہ کہ کسی شخص کی جنس کا تعلق جسم سے ہے جبکہ صنف کا تعلق معاشرے میں کسی شخص کے کردار سے ہے؛ اور

تیسری یہ کہ صنف کا اختیار فرد کی مرضی پر ہے اور کسی کو اس کے اس اختیار پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔[19]

یہ دراصل لبرلزم کے شیطانی فلسفے پر مبنی تصورات ہیں۔ اسلامی قانون کے نقطۂ نظر سے دیکھیں، تو ایک تو جنس اور صنف میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو جنس ہے وہی صنف ہے اور شریعت نے معاشرے میں انسان کے کردار کو انسان کی جنس کے ساتھ ہی جوڑا ہے۔[20] دوسری بات یہ ہے کہ شریعت کی رو سے جنس بس دو ہی ہیں اور اس وجہ سے صنف بھی بس دو ہی ہیں۔[21] جہاں تک خنثیٰ کا تعلق ہے، وہ کوئی مستقل صنف نہیں ہے، بلکہ جب تک اس کی صنف کے تعین میں اشتباہ ہوتا ہے، اس کے متعلق فیصلہ معلق رکھا جاتا ہے اور پھر جب ظاہری جسمانی علامات یا اندرونی تولیدی نظام کی جانچ کے ذریعے اس کی جنس کا تعین ہو جاتا ہے، تو پھر اسی جنس کے احکام کا اس پر اطلاق ہوتا ہے۔[22] چنانچہ اگر جسمانی علامات یا اندرونی تولیدی نظام کی بنا پر اسے مرد مانا جائے، تو اس پر مردوں کی جنس کے احکام کا اطلاق ہوگا اور اگر جسمانی علامات یا اندرونی تولیدی نظام کی وجہ

---

[18] ماورائے صنف اشخاص (حقوق کا تحفظ) قانون، 2018ء، دفعہ 2، ذیلی دفعہ 1، شق این۔

[19] یہ امور دراصل "یوگیاکارٹا اصولوں" (Yogyakarta Principles) سے ماخوذ ہیں جو "صنفی مساوات" (gender equality) کے نام پر جنسی بے راہ روی کا حق دینے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ ان اصولوں کے متعلق مختصر توضیح نیچے آ رہی ہے۔

[20] شریعت نے بعض احکام مردوں کے ساتھ خاص کیے ہیں، جیسے طلاق صرف شوہر ہی دے سکتا ہے (اگرچہ وہ یہ حق ادا کرنے کے لیے جیسے کسی اور کو وکیل (agent) بنا سکتا ہے، ایسے بیوی کو تفویض کے لیے ذریعے اس حق کا مالک (owner) بھی بنا سکتا ہے)۔ اسی طرح شریعت نے بعض احکام صرف خواتین کے ساتھ مخصوص کیے ہیں، جیسے ایامِ حیض میں عورتوں پر نمازوں کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سترِ عورت کے متعلق مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ احکام ہیں۔ ایسے ہی دیگر بہت سارے احکام ہیں جن کی بنا پر اسلامی معاشرت میں مرد اور عورت کے لیے مخصوص کردار متعین کیے گئے ہیں۔ ان احکام اور ان کی بنا پر وجود میں آنے والے معاشرتی کردار کی بنیاد جنس پر ہے۔

[21] مثال کے طور پر دیکھیے: يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً (سورۃ النسآء، آیت 1) (اے لوگو، اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔)

أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ فَجَعَلَ مِنْهُ ٱلزَّوْجَيْنِ ٱلذَّكَرَ وَٱلْأُنثَىٰٓ (سورۃ القیامہ، آیات 37-39) (یا وہ محض ٹپکائی ہوئی منی کی ایک بوند نہیں تھا! پھر وہ بنا خون کی ایک پھٹکی اور اللہ نے اس کا خاکہ بنایا اور اس کے نوک پلک سنوارے۔ پھر بنایا اس سے جوڑا، نر اور مادہ۔)

[22] خنثیٰ کے متعلق احکام کی تفصیل کے لیے دیکھیے: الإمام أبوبكر محمد بن أبي سهل السرخسي، **المبسوط** (بیروت: دار الكتب العلمية، 1997م)، كتاب الخنثى، ج 30، ص 103-114۔

سے اسے عورت قرار دیا جائے، تو پھر اس پر عورتوں کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے۔ خواجہ سرا چونکہ جسمانی طور پر مرد ہوتے ہیں، اس لیے ان پر مردوں ہی کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے خواہ خصی ہونے (یا خصی کیے جانے) کی بنا پر وہ جنسی عمل سے معذور ہوں۔

ماورائے صنف اشخاص کے لیے خنثیٰ یا خواجہ سرا کا لفظ استعمال کرنا غلط ہے اور یہ غلطی اگر قصداً ہو رہی ہے تو یہ دھوکا اور فریب ہے۔ ان کو زیادہ سے زیادہ "مخنّث" کہا جاسکتا ہے۔ مخنث وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہوتے تو مرد ہیں لیکن وہ عورتوں کی سی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ اپنا لیتے ہیں اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔[23] یہ اگر کسی جسمانی یا نفسیاتی عارضے کی وجہ سے ہو، تو ان کا علاج کیا جانا ضروری ہے، ان کے ساتھ ہمدردی کا سلوک ہونا چاہیے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے لیکن قانونی اعتبار سے انھیں مرد ہی سمجھا جائے گا اور ان پر مردوں ہی کے احکام کا اطلاق ہوگا۔ اگر کسی نارمل شخص نے عورتوں کی مشابہت فسق کی وجہ سے اختیار کی ہو، تو پھر اس پر فاسق کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے[24] اور بعض صورتوں میں اسے تعزیری سزا بھی دی جاسکتی ہے۔[25] رسول اللہ ﷺ نے رحمت للعالمین ہونے کے باوجود ان مردوں پر لعنت کی جو عورتوں سے مشابہت اختیار کریں اور اسی طرح ان عورتوں پر بھی لعنت کی ہے جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں۔[26] قرآن کریم نے ابلیس کے حربوں میں "تغییر خلق اللہ" کا خصوصاً ذکر کیا ہے۔[27] اس وجہ سے ایسے تمام کام جو تغییر خلق اللہ کے زمرے میں آتے ہوں، ان پر قانونی پابندی لگانا اور ان کی روک تھام کی کوشش کرنا اسلامی معاشرے میں حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔[28]

---

[23] تفصیل کے لیے دیکھیے: علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی، **رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار** (بیروت: دار الفکر، 1966م)، ج6، ص727۔

[24] إِذَا كَانَ مُخَنَّثًا فِي الرَّدَى مِنْ الْأَفْعَالِ، فَهُوَ كَغَيْرِهِ مِنْ الرِّجَالِ؛ بَلْ مِنْ الْفُسَّاقِ يُنَحَّى عَنْ النِّسَاءِ۔(**المبسوط**، ج10، ص158) فسق کی وجہ سے ایسے مخنث کی گواہی ناقابل قبول ٹھہرتی ہے: وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْمُخَنَّثِ (الإمام برهان الدين علي بن أبي بكر المرغيناني، **الهداية في شرح بداية المبتدي** (بيروت: دار احياء التراث العربي، ت۔ ن۔)، ج3، ص122)۔ وَمُرَادُهُ: الْمُخَنَّثُ فِي الرَّدِيءِ مِنْ الْأَفْعَالِ لِأَنَّهُ فَاسِقٌ؛ فَأَمَّا الَّذِي فِي كَلَامِهِ لِينٌ وَفِي أَعْضَائِهِ تَكَسُّرٌ فَهُوَ مَقْبُولُ الشَّهَادَةِ (الإمام كمال الدين محمد بن عبد الواحد الإسكندري، **فتح القدير على الهداية** (القاهرة: مصفى البابي الحلبي، 1970م)، ج7، ص408)۔

[25] امام سرخسی فرماتے ہیں: وَالْمُسْلِمُ الَّذِي يَأْكُلُ الرِّبَا، أَوْ يَبِيعُ الْخَمْرَ، وَلَا يَنْزِعُ عَنْ ذَلِكَ إِذَا رُفِعَ إِلَى الْإِمَامِ يُعَزِّرُهُ، وَكَذَلِكَ الْمُخَنَّثُ، وَالنَّائِحَةُ، وَالْمُغَنِّيَةُ، فَإِنَّ هَؤُلَاءِ يُعَزَّرُونَ بِمَا ارْتَكَبُوا مِنْ الْمُحَرَّمِ، وَيُحْبَسُونَ حَتَّى يُحْدِثُوا التَّوْبَةَ (**المبسوط**، ج24، ص36)۔

[26] لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَشَبِّهَاتِ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهِينَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ (**سنن الترمذي**، أَبْوَابُ الْأَدَبِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَشَبِّهَاتِ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ، رقم الحديث 2784)۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ ایک حدیث میں خصوصاً مخنث پر اللہ کی لعنت کا ذکر ہے: لعن الله الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ (**مشكاة المصابيح**، كتاب اللباس، باب الترجل، رقم الحديث 4428)۔ علامہ ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ایک روایت میں لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے الفاظ آئے ہیں (**مسند الإمام أحمد بن حنبل**، مسند عبد الله بن العباس، رقم الحديث 1982)۔ یہاں ظاہر ہے کہ مراد وہ ہیں جو فسق کے مرتکب ہوں، نہ کہ وہ جن کی خلقت ایسی ہو اور ان کا کردار اچھا ہو علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں: فَأَمَّا الَّذِي فِي كَلَامِهِ لِينٌ خِلْقَةً وَفِي أَعْضَائِهِ تَكَسُّرٌ خِلْقَةً فَهُوَ عَدْلٌ مَقْبُولُ الشَّهَادَةِ (**فتح القدير**، ج7، ص408)۔

[27] وَلَأٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ ٱللَّهِ (سورة النسآء، آیت 119) (اور ان کو سمجھاؤں گا تو وہ خدا کی بنائی ہوئی ساخت کو بگاڑیں گے۔)

[28] قرآن مجید نے مسلمانوں کے حکمرانوں کی ذمہ داریوں میں خصوصاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر کیا ہے (سورۃ الحج، آیت 41)۔ پاکستان کے آئین میں بھی ریاست کی ذمہ داریوں میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے اصولوں کے مطابق بسر کرنے کے اہل بنائے۔ دیکھیے دفعہ 31(1)۔

اس قانون کا پس منظر

اس قانون کا مسودہ اگرچہ سینیٹ آف پاکستان میں 2017ء میں جمع کرایا گیا اور پھر اس کی بطورِ قانون دونوں ایوانوں سے منظوری اور صدر کے دستخطوں کا مرحلہ 2018ء میں طے پایا لیکن اس سے بہت پہلے اس کے متعلق جدوجہد شروع کی جا چکی تھی جس میں ایک مرحلہ سپریم کورٹ میں خواجہ سراؤں کے حقوق کے متعلق مقدمے کا تھا، اس کے ساتھ ماورائے صنف اشخاص کے لیے بین الاقوامی دباؤ بڑھانے کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر سینیٹ میں اس قانون کا مسودہ پیش کیا گیا۔ اس پس منظر کی وضاحت ضروری ہے۔

سپریم کورٹ میں خواجہ سراؤں کے حقوق کا مقدمہ

پاکستان میں اس موضوع پر مختلف اوقات میں کچھ نہ بات تو ہوتی رہی ہے لیکن اعلیٰ عدلیہ کی سطح پر یہ تب موضوعِ بحث بنا جب 2009ء میں ٹیکسلا میں خواجہ سراؤں پر پولیس تشدد کا واقعہ قومی اخبارات میں رپورٹ ہوا اور پھر خواجہ سرا کمیونٹی کی جانب سے اس کے خلاف سپریم کورٹ میں آئینی درخواست دائر کر دی گئی۔[29] اس مقدمے کی سماعت کے دوران میں سپریم کورٹ نے وقتاً فوقتاً متعدد حکم نامے (orders) جاری کیے۔

مثلاً 17 اگست 2009ء کو سپریم کورٹ نے پولیس اور دیگر اداروں کی جاب سے خواجہ سراؤں کو ہراساں کرنے کے خلاف احکامات جاری کیے۔ اسی طرح 4 نومبر 2011ء کے حکم نامے میں سپریم کورٹ نے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو حکم جاری کیا کہ خواجہ سراؤں کو ملک کے باعزت شہریوں کے طور پر زندگی بسر کرنے اور ان کے حقوق بالخصوص جائیداد کی ملکیت کے حق کے تحفظ کے لیے اقدامات اٹھائے۔ 20 نومبر 2009ء کی سماعت میں سپریم کورٹ کو بتایا گیا کہ حکومت اس سلسلے میں ایک قرطاسِ کار (working paper) بنا رہی ہے۔ اس تاریخ کے حکم نامے میں سپریم کورٹ نے لکھا کہ ملک میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے جو خواجہ سراؤں کو ان کے حقِ وراثت سے محروم کرے اور یہ کہ ان کے ساتھ برا سلوک صرف ان کے "جسم میں صنفی عارضے" (gender disorder in their bodies) کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔[30] چنانچہ سپریم کورٹ نے نیشنل ڈیٹا بیس رجسٹریشن اتھارٹی/نادرا کو حکم جاری کیا کہ طبّی معائنے کے بعد کاغذات میں خواجہ سراؤں کی جنس کے اندراج کے لیے ضروری اقدامات اٹھائے۔ مزید برآں، سپریم کورٹ نے حکومت کو ہدایت جاری کی کہ معذوروں کی طرح خواجہ سراؤں کے لیے بھی نوکریوں میں کوٹا مخصوص کرنے کے لیے پالیسی وضع کرے۔[31] ایک اور اہم بات اس حکم نامے میں سپریم کورٹ نے یہ ذکر کی کہ کچھ مرد اور عورتیں، جن کو کوئی جسمانی عارضہ لاحق نہیں ہے، لیکن انھوں نے خواجہ سراؤں کا بھیس بدلا ہے اور اس بھیس میں وہ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سپریم کورٹ نے پولیس کو اس معاملے پر نظر رکھنے کا حکم دیا۔

---

[29] **ڈاکٹر اسلم خاکی بنام ایس ایس پی (آپریشنز) راولپنڈی و دیگر** (آئینی درخواست نمبر 43 آف 2009ء)۔ خواجہ سرا کمیونٹی کی جانب سے الماس شاہ عرف بوبی نے عدالت کے سامنے موقف پیش کیا۔

[30] یہ تینوں باتیں اہم ہیں کیونکہ ایک تو یہ معلوم ہوا کہ مسئلہ قانون کی عدم موجودگی کا نہیں، بلکہ عدمِ نفاذ کا ہے؛ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواجہ سراؤں کا مسئلہ جسمانی ہے، نہ کہ نفسیاتی؛ اور تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ سپریم کورٹ نے یہاں جنس اور صنف کو مترادف کے طور پر استعمال کیا ہے۔ پہلی بات مان لی جائے، تو کسی نئے قانون کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور دوسری مان لی جائے تو کسی کو خواجہ سرا اقرار دینے سے قبل اس کا طبّی معائنہ ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی لیے سپریم کورٹ نے طبّی معائنے کا بھی حکم دیا۔ تیسری بات پر کچھ مزید تفصیل اس مقالے کے آخر میں دی جا رہی ہے جہاں آئینِ پاکستان کی بعض شقوں کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

[31] یہاں پھر اس بات پر توجہ رہے کہ سپریم کورٹ اس معاملے کو جسمانی معذوری کے طور پر دیکھ رہی تھی۔

اس مقدمے میں سپریم کورٹ کی جانب سے بعد میں بھی متعدد احکامات دیے جاتے رہے اور حتمی فیصلہ 25 ستمبر 2012ء کو جاری کیا گیا۔[32] اس فیصلے میں سپریم کورٹ نے ذکر کیا کہ وفاقی اور صوبائی حکومتوں نے سپریم کورٹ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے مناسب اقدامات اٹھائے ہیں۔ نیز یہ کہ خواجہ سراؤں کو شناختی کارڈ جاری کرنے کے حوالے سے نادرا کی جانب سے جو انتظام بنایا گیا ہے، اس کی تفصیلات خواجہ سرا کمیونٹی کی جناب سے درخواست گزار کو دی گئیں اور درخواست گزار اور ان کے وکیل نے ان پر اطمینان کا اظہار کیا۔ سپریم کورٹ نے یہ بھی قرار دیا کہ خواجہ سراؤں کے ساتھ برابر شہریوں کے سلوک اور ان کے حقِ وراثت کے تحفظ کے لیے وفاقی اور صوبائی حکومتوں نے مناسب اقدامات اٹھائے ہیں اور اس کے بعد اگر کوئی مسئلہ ہوا، تو اسے انتظامی سطح پر حل کیا جا سکے گا۔

اس فیصلے کے ساتھ قانونی سطح پر خواجہ سراؤں کا مسئلہ تو حل ہو گیا، لیکن اس کے بعد خواجہ سراؤں کا نام استعمال کر کے "ماورائے صنف اشخاص" کے لیے قانون میں گنجائش پیدا کرنے کے لیے کوششیں شروع ہوئیں جن پر خود خواجہ سرا کمیونٹی کو بھی شدید اعتراضات ہیں۔ تاہم ان کوششوں کے نتیجے میں 2018ء کا قانون منظور کیا گیا۔ اس قانون کی منظوری میں حقوقِ انسانی کے نام پر بین الاقوامی دباؤ کا بنیادی کردار رہا۔ اس پہلو پر تھوڑی تفصیل یہاں پیش کی جا رہی ہے۔

بین الاقوامی دباؤ

مسلمان معاشروں کے لیے بین الاقوامی قانون کا سب سے بڑا چیلنج اس وقت حقوقِ انسانی کے قانون کی صورت میں سامنے آیا ہے۔[33] قومی ریاستوں کے تصور نے یورپی تاریخ کے ایک خاص موڑ پر جنم لیا اور انیسویں صدی کے نصف اول تک بین الاقوامی قانون کا اطلاق صرف یورپی مسیحی ریاستوں پر ہوتا تھا۔ 1856ء میں پہلی دفعہ عثمانی خلافت پر اس کا جزوی اطلاق کیا گیا۔[34] بیسویں صدی کی ابتدا میں جب جاپان کو اس لائق سمجھا گیا تو پہلی دفعہ اس قانون کا اطلاق یورپ سے باہر کیا گیا۔ تاہم غیر یورپی اور غیر مسیحی اقوام پر اس قانون کے اطلاق کے لیے شرط یہ تھی کہ وہ مغربی اقدار کی پابندی قبول کریں۔[35] بیسویں صدی کے نصف آخر میں نظریاتی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام کی کشمکش بھی جاری رہی اور اس وجہ سے حقوقِ انسانی پر عالمی سطح پر بہت عرصے تک اتفاقِ رائے ممکن نہیں ہو سکا۔[36] تاہم 1991ء میں اشتراکی روس کے بکھر جانے کے بعد یہ نظریاتی کشمکش ختم ہو گئی اور سابقہ اشتراکیوں نے بھی لبرلزم کا لبادہ اوڑھ کر حقوقِ انسانی کی وہی تعبیر اپنا لی جو سرمایہ دارانہ نظام کے علم بردار پیش کر رہے تھے اور یوں صورت ایسی بن گئی کہ:

---

[32] یہ فیصلہ چیف جسٹس افتخار محمد چودھری، جسٹس جواد ایس خواجہ اور جسٹس خلجی عارف حسین پر مشتمل تین رکنی بنچ نے کیا (پی ایل ڈی 2013 سپریم کورٹ 188)۔

[33] اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے:

Muhammad Mushtaq Ahmad, "Revisiting the Discourse on Islam and Human Rights", *Kardan Journal of Social Sciences and Humanities* 1:1 (2018), 93-99.

[34] یہ ریاست بھی، مسیحی نہ سہی، نیم یورپی تو بہر حال تھی۔

[35] تفصیل کے لیے دیکھیے:

Lassa Francis Oppenheim, *On International Law* (London: Longman, 1912), 1:31-34.

[36] چنانچہ 1948ء میں 'حقوقِ انسانی کے عالمی اعلان' کی بطور قرارداد اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے منظوری کے بعد اسے بین الاقوامی معاہدے کی صورت اختیار کرنے میں اٹھارہ سال لگے اور تب بھی ایسا ممکن صرف اس لیے ہو سکا کہ سرمایہ دارانہ ریاستوں کی دلچسپی والے حقوق (شہری و سیاسی حقوق) اور اشتراکی ریاستوں کی دلچسپی کے حقوق (معاشی، معاشرتی اور سماجی حقوق) کو الگ الگ معاہدات میں رکھا گیا۔

من تو شدم، تو من شدی، من تن شدم، تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں: من دیگرم، تو دیگری!

اس وقت حقوقِ انسانی کے معاہدات میں ریاستوں کو جبری جکڑنے کا سلسلہ دو طریقوں سے جاری ہے: ایک یہ کہ حقوقِ انسانی کے معاہدات میں شامل نہ ہونے، یا ان کی پابندی نہ کرنے، پر تادیبی کارروائی کی جاتی ہے اور اس مقصد کے لیے خصوصاً فنانشل ایکشن ٹاسک فورس/ایف اے ٹی ایف کا فورم استعمال کیا جاتا ہے؛[37] دوسرا یہ کہ حقوقِ انسانی کے معاہدات میں شمولیت کے لیے معاشی سہولیات کا لالچ دیا جاتا ہے، جیسے یورپی یونین کی جانب سے جی ایس پی اور جی ایس پی پلس کی حیثیت کو ان معاہدات کی توثیق کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔[38]

اس مقصد کے لیے صرف بین الاقوامی معاہدات ہی کی توثیق نہیں کرائی جاتی، بلکہ بعض نجی سطح پر تیار کی گئی دستاویزات کی پابندی پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ ایسی ہی دستاویزات میں ایک دستاویز "یوگیاکارٹا اصول" کے نام سے مشہور ہے۔[39] یہ اصول بین الاقوامی معاہدے کی حیثیت نہیں رکھتے لیکن پاکستان سے محترمہ عاصمہ جہانگیر نے اس پر دستخط کیے۔[40] ان اصولوں کے ذریعے "صنفی مساوات" (gender equality) کے نام پر ہم جنس پرستی کے علاوہ جنسی رجحان کی ہر ممکن صورت کو مساوی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا اور قرار دیا گیا کہ جنسی اور صنفی مساوات یقینی بنانا ریاستوں کی ذمہ داری ہے۔[41] درحقیقت یہی اصول ہیں جو 2018ء میں ٹرانس جینڈر پرسنز کے حقوق کے تحفظ کے لیے قانون سازی کا سبب بنے ہیں۔[42] اسی طرح ایف اے ٹی ایف کا ڈنڈا اور جی ایس پی پلس حیثیت کی گاجر بھی اس معاملے میں اہم عامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔[43] یہی وجہ ہے کہ شدید سیاسی اختلافات کے باوجود پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان مسلم لیگ (ن)، متحدہ قومی موومنٹ اور پاکستان تحریکِ انصاف سبھی اہم پارٹیوں کے سینیٹرز نے یک زبان اس قانون کی تائید کی۔

---

[37] فنانشل ایکشن ٹاسک فورس 1987ء میں گروپ آف سیون نامی بین الاقوامی تنظیم نے بنائی۔ گروپ آف سیون میں برطانیہ، امریکا اور فرانس کے علاوہ جرمنی، اٹلی، کینیڈا اور جاپان کے ممالک شامل ہیں لیکن جب اس گروپ کا سربراہی اجلاس ہوتا ہے تو اس میں یورپی یونین کے نمائندے بھی ہوتے ہیں۔ اس ٹاسک فورس نے پچھلے کچھ عرصے سے نام نہاد بلیک لسٹ اور گرے لسٹ بنا کر دنیا کے کئی ممالک کو اپنے قوانین اور اپنی پالیسیاں تبدیل کرنے پر مجبور کیا ہے اور بنیادی طور پر یہ کام دہشت گردی کی روک تھام کے نام پر کیا جاتا ہے۔ گروپ آف سیون 1997ء میں گروپ آف ایٹ میں تبدیل ہوا جب اس میں روس کو بھی رکنیت دے دی گئی۔ تاہم 2014ء میں روس پھر اس تنظیم سے نکل گیا، تو یہ واپس گروپ آف سیون میں تبدیل ہو گیا۔

[38] جی ایس پی سے مراد ہے: General System of Preferences یعنی ترجیحات کا عمومی نظام۔ اس نظام کے تحت ریاستوں کو تجارت کے ضمن میں مختلف سہولیات اور بالخصوص محصولات کے ضمن میں نرمی دی جاتی ہے۔ پھر جب plus کا مرتبہ مل جائے، تو مزید سہولیات اور مراعات مل جاتی ہیں۔

[39] ان اصولوں کی تفصیل اور اس کے اثرات اور دیگر متعلقہ امور کے لیے آفیشل ویب سائٹ دیکھیے:
www.yogyakartaprinciples.org

[40] واضح رہے کہ ان کو پاکستان کی ریاست کے نمائندے کی حیثیت حاصل نہیں تھی اور وہ ذاتی حیثیت سے حقوقِ انسانی کی ماہر کے طور پر اس اجلاس میں شریک ہوئی تھیں۔

[41] ان اصولوں کے متن کے لیے دیکھیے:
https://yogyakartaprinciples.org/wp-content/uploads/2017/11/A5_yogyakartaWEB-2.pdf(Last accessed: November 30th, 2022).

[42] اس بات کی تصریح حقوقِ انسانی کی وزارت کے ڈائریکٹر جنرل کی جانب سے وفاقی شرعی عدالت میں زبانی بھی کی گئی ہے اور تحریری بھی۔

[43] سینیٹر فرحت اللہ بابر نے، جو اس قانون کے پرجوش حامی ہیں، 29 نومبر 2022ء کو وفاقی شرعی عدالت کے سامنے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جی ایس پی پلس کی حیثیت کے لیے یہ قانون ضروری ہے۔

اس موضوع پر مختلف اوقات میں قانون کے مختلف مسودے پیش ہوئے۔ موجودہ قانون جس مسودے پر مبنی ہے وہ سینیٹ کی قائمہ کمیٹی برائے انسانی حقوق نے منظور کیا تھا اور اس کمیٹی کے ریکارڈ کے مطابق اسے سینیٹ نے یہ معاملہ 21 اگست 2017ء کے اجلاس میں بھیجا تھا۔[44]

اس روز سینیٹ کی کارروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن اس موضوع پر تین الگ مسودات پیش ہوئے:

الف۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی سینیٹر روبینہ خالد کی جانب سے فوجداری قانون (مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان) میں بعض شقوں کی ترمیم کا مسودہ پیش کیا گیا جس کے ذریعے ٹرانس جینڈرز کو تحفظ دینے کی بات کی گئی تھی؛

ب۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی سینیٹر روبینہ خالد، پاکستان مسلم لیگ (ق) کی سینیٹر روبینہ عرفان، پاکستان تحریکِ انصاف کی سینیٹر ثمینہ سعید اور پاکستان مسلم لیگ (ن) کی سینیٹر کلثوم پروین کی جانب سے ایک اور تفصیلی مسودۂ قانون ٹرانس جینڈرز کے حقوق کے تحفظ کے عنوان سے پیش کیا گیا؛ اور

ج۔ اسی طرح کا ایک تفصیلی مسودۂ قانون اسی عنوان سے پاکستان پیپلز پارٹی کے سینیٹر کریم احمد خواجہ کی جانب سے بھی پیش کیا گیا۔

اس دن لیڈر آف دی ہاؤس پاکستان مسلم لیگ (ن) کے سینیٹر راجا ظفر الحق تھے اور چونکہ ان کی جانب سے ان مسودات پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا، اس لیے تینوں مسودات کو متعلقہ قائمہ کمیٹیوں کی طرف بھیجا گیا۔[45]

ان میں پہلا مسودہ تو فوجداری قانون سے متعلق کمیٹی کو بھیجا گیا۔ اسے بحث سے خارج سمجھیے۔ اگلے دو مسودات حقوقِ انسانی کی قائمہ کمیٹی کو بھیجے گئے جس نے ان دونوں مسودات پر پہلی میٹنگ 25 ستمبر 2017ء کو کی اور اس دن اس میٹنگ میں درج ذیل سینیٹرز نے شرکت کی: نسرین جلیل (ایم کیو ایم)، جو کمیٹی کی چیئرپرسن تھیں؛ سینیٹر مسز ثمینہ سعید (پی ٹی آئی)؛ ڈاکٹر جہانزیب جمالدینی (بلوچستان نیشنل پارٹی)؛ فرحت اللہ بابر (پی پی پی)؛ کریم احمد خواجہ (پی پی پی)؛ ستارہ ایاز (عوامی نیشنل پارٹی)؛ اور کلثوم پروین (نون لیگ)۔ کمیٹی کے درج ذیل ارکان نے اس میٹنگ میں شرکت نہیں کی: محمد محسن خان لغاری (آزاد)؛ مفتی عبد الستار (جمعیت علمائے اسلام)؛ میر کبیر احمد محمد شاہی (نیشنل پارٹی)؛ نثار محمد (نون لیگ)؛ مسز سحر کامران (پی پی پی)؛ اعتزاز احسن (پی پی پی)؛ اور ثمینہ عابد (پی ٹی آئی)۔[46]

اس پہلی میٹنگ کے بعد بھی کئی میٹنگز ہوئیں جن میں دونوں مسودات کا شق وار جائزہ لینے کے بعد کمیٹی نے متفقہ فیصلہ کیا کہ دونوں مسودات کو اکٹھا کر کے ایک مسودہ تشکیل دیا جائے اور اس کی منظوری دی جائے۔ اس کے بعد اس کمیٹی کی جانب سے بنائے گئے مسودے کو کمیٹی نے متفقہ طور پر منظور کر لیا اور اسے سینیٹ کی طرف بھیج دیا گیا۔

---

[44] سینیٹ کی اس دن کی کارروائی کا تحریری ریکارڈ سینیٹ کی سرکاری ویب سائٹ پر موجود ہے:
https://senate.gov.pk/uploads/documents/debates/1531147122_801.pdf (Last accessed: November 30th, 2022).

[45] چونکہ یہ مسودات پرائیویٹ ممبر بلز کے طور پر پیش کیے گئے تھے، اس لیے انھیں قائمہ کمیٹی کی طرف صرف اسی صورت میں بھیجا جا سکتا تھا جب حکومت کی جانب سے ان پر اعتراض نہ ہو۔ دیکھیے سینیٹ کے طریقِ کار اور کارروائی کے متعلق قواعد (Rules of Procedure and Conduct of Business in the Senate)، 2012ء، قاعدہ نمبر 95(3)۔

[46] ان میں بالخصوص مفتی عبد الستار صاحب کی عدم شرکت کی وجہ مجھے معلوم نہیں ہو سکی۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی کچھ مصروفیات ہوں لیکن ان کی عدم شرکت ایک ممکنہ سبب بنی اس بات کا کہ ان کی عدم موجودگی میں کمیٹی نے ایک متفقہ مسودہ منظور کر لیا۔ اگر ان کی شرکت ہوتی تو مجھے یہ خوش گمانی ہے کہ شاید یہ مسودہ متفقہ طور پر منظور نہ ہوا ہوتا، لیکن اتنی اہم میٹنگز میں عدم شرکت بہر حال ایک سنجیدہ مسئلہ ہے۔

قائمہ کمیٹی کی رپورٹ 7 مارچ 2018ء کو سینیٹ میں پیش کی گئی۔[47] یہ رپورٹ ایم کیو ایم کے سینیٹر کرنل (ریٹائرڈ) سید طاہر مشہدی نے پیش کیا۔ اسی دن پیپلز پارٹی کے سینیٹر کریم احمد خواجہ کمیٹی کے منظور کردہ مسودۂ قانون کو سینیٹ سے منظوری کے لیے پیش کیا۔ نون لیگ کے سینیٹر ممتاز تارڑ، جو حقوقِ انسانی کے وزیر بھی تھے، نے نہ صرف اس مسودے کی تائید کی بلکہ خراجِ تحسین بھی پیش کیا۔ پیپلز پارٹی کی سینیٹر روبینہ خالد نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد چیئرمین سینیٹ جناب سینیٹر رضا ربانی نے اس مسودۂ قانون پر کام کرنے والے سینیٹرز کی تعریف میں قصیدہ پڑھا اور کہا کہ ان کا نام تاریخ میں یادر کھا جائے گا۔ پھر اس مسودے پر رائے شماری ہوئی اور اس کی منظوری دے دی گئی۔ اس کے بعد یہ مسودہ قومی اسمبلی کی طرف بھیجا گیا۔

قومی اسمبلی میں 8 مئی 2018ء کو پیپلز پارٹی کے ایم این اے جناب نوید قمر نے یہ مسودہ پیش کیا۔[48] جمعیت علماے اسلام کی ایم این اے محترمہ نعیمہ کشور کی جانب سے اس مسودے پر اعتراض کیا اور انھوں نے مشورہ دیا کہ اسے قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی کی طرف بھیج دیا جائے لیکن نوید قمر صاحب نے کہا کہ سینیٹ کی قائمہ کمیٹی پہلے ہی اسے دیکھ چکی ہے اور وہاں سے سب پارٹیوں نے اسے متفقہ طور پر منظور کیا ہے۔ محترمہ نعیمہ کشور نے 18 سال کی عمر میں جنس مقرر کرنے کی شق پر اعتراض کر کے کہا کہ اسے اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف بھیجا جائے لیکن سپیکر قومی اسمبلی جناب ایاز صادق (نون لیگ) نے ان کا اعتراض مسترد کیا اور کہا کہ مسودہ کئی دن قبل تقسیم کیا گیا تھا اور انھیں اعتراض پہلے کرنا چاہیے تھا۔ ایاز صادق صاحب نے مزید کہا کہ انتخابات قریب ہیں اور اگر آج یہ مسودہ منظور نہیں کیا گیا، تو یہ معاملہ انتخابات کے بعد تک لٹک جائے گا۔ اس کے بعد محترمہ نعیمہ کشور کی جانب سے پیش کی گئی تجویز پر ووٹنگ ہوئی تو صرف 2 ایم این ایز نے ان کا ساتھ دیا اور بھرپور اکثریت نے اس کے خلاف ووٹ دیا۔ چنانچہ یہ تجویز مسترد کر دی گئی۔ اس مسودے کے خلاف جماعتِ اسلامی کی محترمہ عائشہ سید نے مختصر تقریر کی اور اسی طرح مختصر تقریر جمعیت علماے اسلام سے محترمہ نعیمہ کشور نے کی جس میں انھوں نے یہ نکتہ بھی اٹھایا کہ 18 ویں ترمیم کے بعد وراثت کا موضوع صوبائی اسمبلی کے اختیار میں آتا ہے۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کسی نے نہیں سنی اور قومی اسمبلی نے بھی اس مسودے کو منظور کر لیا۔

اس کے بعد پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظور شدہ مسودے کو صدرِ پاکستان کے دستخطوں کے لیے بھیجا گیا۔ صدر جناب ممنون حسین نے جمعۃ المبارک 18 مئی 2018ء کو اس مسودے پر دستخط کر دیے جس کے بعد اسے قانون کی حیثیت حاصل ہو گئی اور 24 مئی 2018ء کو اسے گزٹ آف پاکستان میں شائع کیا گیا۔[49] اس ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ سینیٹ آف پاکستان سے جس دن اس قانون کی منظوری لی گئی، اس دن بہت سارے سینیٹرز مدت پوری ہونے کی بنا پر ریٹائر ہو رہے تھے اور ایسے دن عموماً قانون سازی کا عمل نہیں ہوتا بلکہ ریٹائر ہونے والے سینیٹرز الوداعی تقریر کرتے ہیں یا ان کے بارے میں دیگر سینیٹرز بات کرتے ہیں۔ تاہم اس موقع پر جلدی میں اس مسودے کو منظور کروایا گیا۔ اسی طرح قومی اسمبلی میں جب یہ مسودہ پیش کیا گیا تو سپیکر ایاز صادق نے کہا کہ اسے آج ہی منظور کرنا ضروری ہے کیونکہ پھر یہ معاملہ انتخابات کے بعد تک ملتوی ہو جائے گا۔ اوپر بین الاقوامی دباؤ اور ڈنڈے اور گاجر کی جو تفصیل دی گئی ہے، اس کی روشنی میں اس جلد بازی کی وجہ بخوبی سمجھ میں آجاتی

---

[47] اس دن کی کارروائی کے تحریری ریکارڈ کے لیے دیکھیے:
https://senate.gov.pk/uploads/documents/debates/1538986661_711.pdf (Last visited: November 30, 2022).

[48] قومی اسمبلی میں اس دن کی کارروائی کے تحریری ریکارڈ کے لیے دیکھیے:
https://na.gov.pk/uploads/documents/1526551522_116.pdf (Last visited: November 30, 2022).

[49] دیکھیے:
Gazette of Pakistan, Extraordinary, Islamabad, Thursday, May 24, 2018, Part 1, Acts, Ordinances, President's Orders and Regulations, National Assembly Secretariat, Islamabad dated 22nd May, 2018, No. F. 23(20)/2018-legis, Act VIII of 2018.

ہے، لیکن اس کا نقصان یہ ہوا کہ ایک ایسا قانون منظور کر لیا گیا ہے جو شریعت سے بھی اور آئینِ پاکستان کی بعض اہم شقوں سے بھی صراحتاً متصادم ہے۔

اب ہم اس قانون کے متن کا تفصیلی تجزیہ پیش کر کے ان دونوں امور کی وضاحت کریں گے۔

قانون کا تفصیلی تجزیہ

اس قانون پر بنیادی طور پر اس پہلو سے تنقید کی جا رہی ہے کہ یہ قانون اسلامی احکام سے متصادم ہے اور اس سے ہمارے خاندانی نظام کی بنیادیں اکھاڑی جا رہی ہیں، نیز یہ کہ اس قانون کے ذریعے بے حیائی کے لیے راستے کھولے گئے ہیں۔ تاہم یہ قانون ہمارے آئینی بندوبست کے بعض اہم اصولوں سے بھی متصادم ہے۔ یہاں پہلے اسلامی احکام سے تصادم کے پہلو پر بات کی جائے گی اور اس کے بعد آئینی شقوں کے ساتھ تصادم کی بات واضح کی جائے گی۔

تعریفات

اس قانون کی دفعہ 2 تعریفات پر مشتمل ہے جہاں اس قانون میں استعمال کیے گئے الفاظ و تراکیب کی تعریفات پیش کی گئی ہیں۔ یہاں "اظہارِ صنف" کی تعریف یہ پیش کی گئی ہے: "اظہارِ صنف سے مراد کسی شخص کا اپنی صنفی شناخت کا پیش کرنا ہے اور جو دوسرے محسوس کریں۔"[50] اس کے بعد "صنفی شناخت" کی تعریف یوں دی گئی ہے: "صنفی شناخت سے مراد ہے کسی شخص کا اپنے بارے میں سب سے اندرونی اور انفرادی احساس کہ وہ مرد ہے، عورت ہے، دونوں کا مجموعہ ہے، یا دونوں نہیں، جو اس جنس کے ساتھ ہم آہنگ ہو یا نہ ہو جو پیدائش کے وقت اسے دی گئی۔"[51]

یہاں "جنس" (sex) اور "صنف" (gender) میں فرق کیا گیا ہے اور اہمیت صنف کو دیتے ہوئے قرار دیا گیا ہے کہ صنف کا فیصلہ کسی شخص کے "سب سے اندرونی اور انفرادی احساس" (innermost and individual sense) پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ ان تعریفات کی زد کہاں پڑتی ہے، اس کا اندازہ لگانے کے لیے "ماورائے صنف شخص" یعنی ٹرانس جینڈر پرسن کی تعریف پر غور ضروری ہے۔

ماورائے صنف شخص کی تعریف میں تین قسمیں ذکر کی گئی ہیں:[52] ایک خنثیٰ، جسے intersex کہا گیا ہے، اور اس کی توضیح یوں کی گئی ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کی جنسی علامات پائی جائیں، یا جس کی جنس کے متعلق ابہامات پائے جائیں؛ دوسری، خواجہ سرا (eunuch) جس کی تعریف یہ پیش کی گئی ہے کہ اس شخص کو پیدائش کے وقت مرد کی جنس دی گئی ہوتی ہے لیکن اس کے بعد اس کا جنسی عضو کاٹ لیا گیا ہو یا اسے نامرد بنا دیا گیا ہو؛ تیسری قسم (اور یہیں سارے فساد کی جڑ پائی جاتی ہے) کو ہی اصل ماورائے صنف قرار دے کر اس کی تعریف یوں پیش کی گئی ہے:

> ماورائے صنف مرد، عورت، خواجہ سرا، یا کوئی بھی شخص جس کی صنفی شناخت یا جس کا اظہارِ صنف ان سماجی اقدار اور ثقافتی توقعات سے مختلف ہو جو اس جنس پر مبنی ہوں جو اسے پیدائش کے وقت دی گئی تھی۔

---

[50] ماورائے صنف اشخاص کا قانون، دفعہ 2، ذیلی دفعہ 1، شق ای۔

[51] ایضاً، دفعہ 2، ذیلی دفعہ 1، شق ایف۔

[52] ایضاً، دفعہ 2، ذیلی دفعہ 1، شق این۔

خنثیٰ اور خواجہ سرا اس قانون کے اصل موضوع نہیں ہیں، اگرچہ میڈیا میں زیادہ تر انھی کا نام لیا جارہا ہے۔ ان پر نیچے الگ بات آرہی ہے۔ یہاں تعریف کے اس آخری جزو پر غور ضروری ہے۔

اس تعریف میں "یا کسی بھی شخص" (or any person) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان الفاظ سے قبل تین خاص صورتیں ذکر کی گئی ہیں: ماورائے صنف مرد، ماورائے صنف عورت، خواجہ سرا۔ اب ان تین خاص صورتوں کے بعد بالکل عمومی صورت ذکر کی گئی: یا کوئی بھی شخص۔ اصول فقہ کی اصطلاح استعمال کریں، تو یہ ذکر العام بعد الخاص ہے۔ گویا اصل ہدف اس عموم کا بیان تھا اور پہلے چند خاص صورتیں صرف بطورِ مثال ذکر کی گئی ہیں۔

چنانچہ ایک نتیجہ تو اس سے یہ نکلا کہ "ماورائے صنف شخص" کی تعریف صرف چند مخصوص افراد کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ "سہولت" اس قانون نے "کسی بھی شخص" کے لیے پیدا کی ہے کہ وہ کسی بھی وقت اپنی صنف (gender) سے ماورا (trans) ہو کر کسی اور صنف میں جاسکتا/سکتی ہے۔[53] اس تعریف کے مضمرات اور لازمی نتائج کا تجزیہ ضروری ہے۔

پیدائش کے وقت کسی شخص کو ایک جنس (sex) "دی گئی (معاشرے نے کہا کہ یہ مرد ہے، وہ عورت ہے)، اس جنس کے ساتھ، جو ایک حیاتیاتی (biological) تصور ہے اور جس کا تعلق جسمانی ساخت سے ہے، سماج نے کچھ اقدار باندھی ہوئی ہیں (یہ مردوں کے کام ہیں، وہ عورتوں کے کام ہیں)، اور ثقافت نے اسی بنیاد پر کچھ توقعات قائم کی ہیں (مرد انگی دکھاؤ، عورتیں ایسا نہیں کرتیں)، لیکن یہ شخص اس سماجی بندھن و ثقافتی بیڑیوں سے آزاد ہو کر اپنے لیے وہ صنف (gender) چنتا/چنتی ہے جو اس کے اپنے "سب سے اندرونی سطح اور انفرادی احساس" پر مبنی ہو۔ آسان الفاظ میں کوئی شخص جسمانی طور پر مرد ہونے کے باوجود وہ کام نہیں کرتا، جو سماجی اقدار کے مطابق مردوں کے کرنے کے ہیں یا جن کی توقع ثقافتی طور پر مردوں سے کی جاتی ہے، تو وہ یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنی صنف تبدیل کر کے خود کو عورت کہلوائے۔ اسی طرح کوئی عورت بھی اپنا عورت پن ترک کر کے خود کو مرد کہلوا سکتی ہے۔ بات یہیں تک محدود نہیں ہے کہ کوئی مرد خود کو عورت کہلوائے، یا عورت خود کو مرد کہلوائے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کوئی مرد خود کو مرد و عورت کا مجموعہ، یا ان دونوں سے الگ نوعیت میں بھی شمار کر سکتا ہے؛ عورت بھی یہی کر سکتی ہے؛ خواجہ سرا بھی یہی کر سکتا ہے؛ اور "کوئی بھی شخص" یہ کر سکتا/کر سکتی ہے۔

ماورائے صنف شخص کے بنیادی ترین حقوق

"ماورائے صنف شخص" کی تعریف سمجھنے کے بعد، اور یہ جاننے کے بعد کہ "کوئی بھی شخص" جب چاہے ماورائے صنف شخص کی تعریف میں شامل ہو سکتا ہے، ماورائے صنف اشخاص کے لیے بنیادی ترین اصول کی طرف آیئے۔

اس قانون کی رو سے ماورائے صنف شخص کا یہ حق ہے کہ اس کے لیے اس کے "ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت" (self-perceived gender identity) تسلیم کی جائے۔[54] قانون نے یہ بھی طے کیا ہے کہ نادرا سمیت تمام حکومتی محکموں پر لازم ہو گا کہ

---

[53] ٹرانس کا مفہوم سمجھنے کے لیے "ماورائے قوم وجود" (transnational entity) کی ترکیب پر غور کریں جو بعض لوگ مسلمانوں کے تصورِ "امت" کے لیے استعمال کرتے ہیں کیونکہ امت کی شناخت قوم کی شناخت سے ماورا اور بالا ہوتی ہے۔ اسی طرح ٹرانس نیشنل ٹیررزم (transnational terrorism) پر غور کریں جو دہشت گردی کی اس صورت کو کہتے ہیں جو کسی خاص قوم، یعنی ملکی حدود میں مستقل مقید افراد کے مجموعے، تک محدود نہیں رہتی، بلکہ قومی شناخت کو توڑ کر ایک نئی شناخت قائم کرتی ہے۔

[54] ماورائے صنف اشخاص کا قانون، دفعہ 3، ذیلی دفعہ 1۔

ماورائے صنف شخص کو اس کے ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کے ساتھ رجسٹر کرے۔[55] اسی طرح قانون نے تصرح کی ہے کہ ماورائے صنف شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ 18 سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد وہ اپنے ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کے ساتھ قومی شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور دیگر دستاویزات حاصل کرے۔[56] اس سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر کسی ماورائے صنف شخص کو پہلے ہی قومی شناختی کارڈ جاری کیا گیا ہو، تو اس کا حق ہے کہ وہ ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کے ساتھ نیا قومی شناختی کارڈ حاصل کرے۔[57]

ان چار امور کا حاصل اور نتائج کیا ہیں؟ چونکہ "کوئی بھی شخص" "کسی بھی وقت" "ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت" کے ساتھ تسلیم کیے جانے کا حق رکھتا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص جو جنسی طور پر مرد ہو اور وہ نادرا کے دفتر جا کر صرف اتنا قرار دے کہ اس کے ذاتی احساس کی بنا پر اس کی صنفی شناخت کو عورت قرار دیا جائے، تو نادرا کے پاس نہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے، نہ ہی نادرا کے پاس یہ اختیار ہے کہ وہ اس کا طبّی یا نفسیاتی معائنہ کرانے کا کہے۔[58] اب جب ایک مرتبہ اسے سرکاری کاغذات اور دستاویزات میں عورت قرار دیا گیا، تو اسے عورتوں کے سارے حقوق بھی میسر آ گئے۔ کسی گرلز کالج میں داخلے سے لے کر قومی و صوبائی اسمبلی اور سینیٹ کی رکنیت تک، کسی بس میں عورتوں کے لیے مخصوص سیٹوں سے لے کر کسی ریستوران میں عورتوں کے لیے مخصوص واش رومز تک؛ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر چونکہ یہ عورت ہے، تو اسے کسی مرد سے شادی کی بھی قانوناً اجازت مل گئی، اور یہ سب کچھ اسے "جنس" تبدیل کیے بغیر اور جسمانی ساخت میں تغییر لائے بغیر مل گیا![59]

آگے قانون میں کافی تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ ماورائے صنف شخص کے خلاف کسی قسم کا امتیازی سلوک نہیں برتا جائے گا، نہ ہی اسے ہراساں کیا جائے گا، اور اس ضمن میں حکومت کی ذمہ داریوں کی بھی تفصیل دی گئی ہے۔[60] اگر اس قانون کا اطلاق صرف خنثیٰ اور خواجہ سرا پر ہوتا تو ان امور پر شاید ہی کسی کو اعتراض ہوتا لیکن چونکہ ان کا اطلاق ماورائے صنف اشخاص پر بھی ہوتا ہے، بلکہ اصلاً یہ قانون بنایا ہی ان لوگوں کے لیے گیا ہے جو اپنی صنف تبدیل کر کے کسی اور صنف میں جانا چاہتے ہیں یا کم از کم اپنی صنف سے نکلنا چاہتے ہیں، اس لیے یہ امور بھی بہت خطرناک نتائج کے حامل ہو گئے ہیں۔

ان امور کی بنا پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ اس قانون کے ذریعے نہ صرف ہم جنس پرست شادیوں اور جنسی بے راہ روی کی دیگر قسموں کو قانونی جواز دیا گیا ہے، بلکہ اس کے ذریعے خاندانی نظام کی جڑیں ہی اکھاڑی جا رہی ہیں۔

ماورائے صنف اشخاص کے لیے حقِ وراثت

اس قانون میں ماورائے صنف اشخاص کو یہ اختیار بھی مل گیا ہے کہ وہ اپنے ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کے ذریعے وراثت کے احکام بھی تبدیل کر سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی جسمانی اور جنسی طور پر عورت اگر وراثت میں زیادہ حصہ لینا چاہتی ہے، تو اس کا آسان حل یہ ہے کہ وہ نادرا کے

---

[55] ایضاً، دفعہ 3، ذیلی دفعہ 2۔

[56] ایضاً، دفعہ 3، ذیلی دفعہ 3۔

[57] ایضاً، دفعہ 3، ذیلی دفعہ 4۔

[58] میڈیا پر بعض لوگوں نے "نادرا رولز" کا حوالہ دیتے ہوئے کچھ غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ اس معاملے میں نادرا نے کوئی خاص رولز نہیں بنائے، بلکہ وہ ماورائے صنف اشخاص کے قانون ہی کے تحت بنائے گئے رولز پر عمل کرتی ہے۔ ان رولز پر بحث نیچے آ رہی ہے۔

[59] یہی کچھ کوئی بھی خاتون کر سکتی ہے۔

[60] ماورائے صنف اشخاص کا قانون، دفعات 4، 5 اور 6۔

پاس جا کر اپنے ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کو مرد کروادے۔ پھر اسے کوئی مرد کا حصہ لینے سے روک نہیں سکے گا کیونکہ اس قانون کی رو سے یہ لازم ہے کہ وراثت کے حصے بھی ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کے مطابق دیے جائیں۔

چنانچہ ماورائے صنف اشخاص کی وراثت کے لیے جو اصول دیے گئے ہیں، ان میں پہلا اصول یہ ہے کہ ان اشخاص کو وراثت میں ان کا "جائز حق" دینے کے سلسلے میں کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا "جیسا کہ قانونِ وراثت میں مقرر کیا گیا ہے"۔[61] ان الفاظ کو دیکھ کر ایک عام شخص کہے گا کہ ان میں غلط کیا ہے؟ امتیازی سلوک تو واقعی نہیں ہونا چاہیے، بالخصوص جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا جائز حق وہ ہے جو قانونِ وراثت میں مقرر کیا گیا ہے۔ لیکن بات اتنی سادہ نہیں ہے۔

جہاں تک "قانونِ وراثت" کا تعلق ہے، تو پاکستان میں وراثت کی تقسیم اور مختلف ورثا کے حصوں کے متعلق کوئی تفصیلی قانون موجود نہیں ہے۔ صرف مسلم فیملی لاز آرڈی نینس، 1961ء کی ایک دفعہ 4 ہے جس میں ان یتیم پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے لیے حق مقرر کیا گیا ہے جن کے والد یا والدہ کا انتقال ان کے (یعنی والد یا والدہ کے) باپ یا ماں (یعنی ان پوتے پوتیوں یا نواسے نواسیوں کے دادا ی/دادیا نانا/نانی) کی زندگی میں ہی ہو گیا ہو۔[62] اس ایک صورت کے علاوہ کوئی صورت ایسی نہیں ہے جس میں ورثا کے حقِ وراثت کے لیے ہمارے ہاں باقاعدہ قانون سازی کی گئی ہو۔

البتہ وراثت کی تقسیم اور مختلف ورثا کے حصوں کے تعین کے لیے مسلم پرسنل لا (شریعت) اپلی کیشن ایکٹ، 1962ء، میں اصول طے کیا گیا ہے کہ ان امور میں "فیصلے کا قانون" شریعت ہے لیکن "قانون کے تابع"۔[63] چنانچہ جہاں قانون میں تصریح کی گئی ہے، جیسے مسلم فیملی لاز آرڈی نینس کی دفعہ 4 میں یتیم پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے لیے حقِ وراثت مقرر کیا گیا ہے، تو وہاں اس قانون کے مطابق حصہ دیا جاتا ہے، لیکن جہاں قانون میں حصے مقرر نہیں کیے گئے، تو وہاں حصوں کے لیے شریعت کی طرف دیکھا جاتا ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

مزید یہ کہ 1980ء میں آئینِ پاکستان کی دفعہ 227 کے ساتھ ایک توضیح اضافہ کیا گیا جس کی رو سے طے پایا ہے کہ اہلِ تشیع کے لیے ان کے فہمِ قرآن و سنت اور اہل سنت کے لیے ان کے فہمِ قرآن و سنت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔[64] اس لیے اہلِ تشیع کے لیے قانونِ وراثت کی حیثیت ان کی فقہ کو اور اہلِ سنت کے لیے قانونِ وراثت کی حیثیت ان کی فقہ کو حاصل ہے۔

چنانچہ ماورائے صنف اشخاص کے حقِ وراثت کے تعین کے لیے قانونِ وراثت کا انحصار اس امر پر ہے کہ اس کے مذہبی گروہ کی فقہ اس معاملے میں کیا کہتی ہے۔ تاہم ایک تو اس قانون کی رو سے ماورائے صنف اشخاص سے مراد صرف جسمانی طور پر خنثی یا خواجہ سرا نہیں ہیں، بلکہ وہ لوگ بھی ہیں جو جنس کی بنیاد پر صنف سے انکاری ہو کر اپنی صنف تبدیل کر لیتے ہیں، یعنی جسمانی طور پر مرد ہونے کے باوجود شناختی کاغذات میں خود کو عورت یا مرد و عورت کا مجموعہ یا ان میں کچھ نہیں قرار دیں، یا جسمانی طور پر عورت ہونے کے باوجود خود کو مرد یا مرد و عورت کا مجموعہ یا ان میں کچھ نہیں قرار دے۔ اس لیے اس قانون میں کہی گئی بات جو پہلی نظر میں بہت سادہ اور معصوم لگتی ہے، اتنی سادہ اور معصوم ہر گز نہیں ہے کیونکہ اس قانون میں آگے مزید قرار دیا گیا ہے کہ وراثت کے حصوں کے لیے صنف کا تعین شناختی کارڈ پر مذکور صنف سے ہو گا۔[65] پیچھے گزر چکا کہ شناختی

---

[61] ایضاً، دفعہ 7، ذیلی دفعہ 1۔

[62] عام طور پر اسے یتیم پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے حقِ وراثت کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

[63] دیکھیے مسلم پرسنل لا (شریعت) اپلی کیشن ایکٹ، 1962ء، دفعہ 2۔

[64] آئین (تیسرا ترمیمی) حکم نامہ 1980ء (صدارتی حکم نامہ نمبر 14 آف 1980ء)، دفعہ 2۔ جب 1985ء میں پارلیمان نے آٹھویں آئینی ترمیم منظور کی، تو یہ شق آئین کا مستقل حصہ بن گئی۔

[65] ماورائے صنف اشخاص کا قانون، دفعہ 7، ذیلی دفعہ 2۔

کارڈ میں صنف کا اندارج کسی شخص کے "ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف" پر ہوتا ہے۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ ماورائے صنف اشخاص کو وراثت میں ان کے مذہبی گروہ کی فقہ کے مطابق ان کی جسمانی ساخت پر مبنی صنف نہیں ملے گا بلکہ انھیں وہی حصہ ملے گا جو اس صنف کو ملتا ہے جسے انھوں نے اپنے ذاتی احساس کی بنیاد پر چنا ہے! یہی بات اس قانون میں آگے صراحت کے ساتھ بتادی گئی ہے۔

چنانچہ آگے درج ذیل اصولوں کی تصریح کی گئی ہے:[66]

اولاً: اگر ماورائے صنف شخص مرد ہو (یعنی کسی اور صنف سے اپنے ذاتی احساس کی بنا پر اٹھ کر اس نے مردوں کی صنف اختیار کرلی ہو)، تو اسے مرد کا حصہ ملے گا؛

ثانیاً: اگر ماورائے صنف شخص عورت ہو (یعنی کسی اور صنف سے اپنے ذاتی احساس کی بنا پر اٹھ کر اس نے عورتوں کی صنف اختیار کرلی ہو)، تو اسے عورت کا حصہ ملے گا؛

ثالثاً: اگر پیدائش کے وقت کسی شخص کی صنف کا تعین اس کی جسمانی علامات کی بنا پر مشکل ہو، تو ان کے لیے درج ذیل چار قواعد دیے گئے ہیں:

ایک یہ کہ اگر 18 سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد انھوں نے ذاتی احساس کی بنا پر خود کو مرد قرار دیا ہو، تو انھیں مرد کا حصہ ملے گا؛

دوسرا یہ کہ اگر 18 سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد انھوں نے ذاتی احساس کی بنا پر خود کو عورت قرار دیا ہو، تو انھیں عورت کا حصہ ملے گا؛

تیسرا یہ کہ ایک یہ کہ اگر 18 سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد انھوں نے ذاتی احساس کی بنا پر خود کو نہ مرد قرار دیا ہو نہ ہی عورت، تو انھیں مرد اور عورت کے حصوں کا اوسط حصہ ملے گا؛ اور

چوتھا یہ کہ 18 سال سے کم عمر کے شخص کے حقِ وراثت کا مسئلہ ہو، تو اس کے لیے صنف کا تعین میڈیکل ڈاکٹر اس کے غالب مردانہ یا زنانہ خصوصیات کی بنا پر کرے گا۔

اس کے ساتھ درج ذیل تین باتیں ملالیں، تو تصویر پوری ہو جائے گی:

ایک یہ کہ اس دفعہ میں صنف کا تعین بنیادی طور پر جسمانی خصوصیات کی بنا پر کیا جارہا ہے، سوائے ان صورتوں کے جن میں اس شخص کا ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف اس کی جسمانی خصوصیات سے مختلف ہو۔ بہ الفاظِ دیگر، یہ قانون بنانے والے یہاں خود بھول گئے ہیں کہ ان کا تو سارا فلسفہ ہی ان مفروضوں پر کھڑا تھا کہ جسمانی خصوصیات پر صنف کا تعین نہیں کیا جانا چاہیے اور یہ کہ جنس اور صنف میں فرق ہوتا ہے۔

دوسری یہ کہ نابالغ بچے کے لیے ہی سہی، یہ قانون بنانے والوں نے یہ دو اصول تسلیم کرلی ہے کہ صنف کے تعین کے لیے میڈیکل ڈاکٹر کی رائے لینی چاہیے اور یہ کہ ڈاکٹر کی رائے اس بات کی تعین کے لیے ہوگی کہ اس شخص کی غالب خصوصیات مردانہ ہیں یا زنانہ۔ سوال یہ ہے کہ یہی اصول 18 سال کی عمر کے بعد کے اشخاص کے لیے کیوں نہیں مانے گئے؟ اس سوال کے جواب پر غور کریں گے تو لبرلزم کے اصل فساد تک رسائی ہوگی۔

تیسری یہ کہ یہاں یہ قانون بنانے والے صنفوں کو دو (مردانہ و زنانہ) تک محدود رکھنے کی بات بھی بھول گئے ہیں اور تفصیلی ضابطہ، بلکہ ضوابط، دے کر یہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس شخص کو وراثت میں حصہ مرد کا ملے گا یا عورت کا۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ لاشعوری طور پر ہی سہی، اور وراثت کے شعبے تک محدود ہی سہی، وہ یہ بات مانتے ہیں کہ شریعت میں صنف بس دو ہی ہیں!

---

[66] ایضاً، دفعہ 7، ذیلی دفعہ 3۔

ماورائے صنف اشخاص کے خصوصی حقوق

آگے اس قانون میں میں ماورائے صنف اشخاص کے خصوصی حقوق کی تفصیلات دی گئی ہیں،[67] اور ساتھ ہی یہ تصریح بھی کی گئی ہے کہ آئین میں مذکور تمام بنیادی حقوق ان کو میسر ہوں گے۔[68] ایک تو اس عمومی دفعہ کی موجودگی میں خصوصی دفعات کی ضرورت ہی نہیں تھی، بلکہ آئین میں مذکور بنیادی حقوق چونکہ تمام شہریوں کو دستیاب ہیں،[69] اس لیے خصوصی تصریح کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ ایسا صرف غلط فہمی دور کرنے اور صراحت سے بات کرنے کے لیے کیا گیا ہے، تو اس کے بعد اس امر پر غور پھر سے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس قانون کی رو سے ماورائے صنف اشخاص سے مراد کون ہیں اور ان کے لیے یہ حقوق ماننے کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں؟

مثلاً ماورائے صنف اشخاص کو قومی، صوبائی اور مقامی انتخابات میں ووٹ ڈالنے کے حق کے ذکر کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان اشخاص کے لیے پولنگ سٹیشن کا انتخاب ان کی اس صنف کے مطابق ہو گا جو ان کے قومی شناختی کارڈ میں مذکور ہو،[70] اور ہم یہ تو تفصیل سے واضح کر چکے ہیں کہ قومی شناختی کارڈ میں صنف کا اندراج "ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف" پر ہوتا ہے۔ چنانچہ جس مرد نے اپنی صنف سے نکل کر اپنے لیے عورت کی صنف چنی ہو، جسے یہاں transwoman یعنی ماورائے صنف عورت کہا گیا ہے، اسے عورت ہی مانا جائے گا اور اسے عورتوں ہی کے پولنگ سٹیشن میں ووٹ ڈالنے کا حق ہو گا۔[71]

صحت کے حق سے متعلق تفصیلات[72] میں ایک اہم بات یہ کہی گئی ہے کہ انھیں تمام ضروری طبّی اور نفسیاتی "صنفی تصحیحی" (gender corrective) سہولتوں تک رسائی یقینی بنائی جائے گی۔[73] ان صنفی تصحیحی سہولتوں میں کیا کچھ آتا ہے، اس کی تفصیل اس قانون (Act) کے تحت بنائے گئے قواعد (Rules) میں دیکھ لیجیے[74] جہاں بتایا گیا ہے کہ "صنفی تصدیقی خدمات" (gender affirming services) میں درج ذیل امور شامل ہیں:

- ہارمون تھراپی؛
- سرجری؛
- چہرے سے بال ختم کرنا؛
- بولنے اور آواز سے متعلق علاج (جیسے عورت کی آواز کو بھاری کرنا ہو، یا مرد کی آواز کو باریک کرنا ہو)؛
- جنسی اعضاء کو پست کرنا، ختم کرنا یا سینے میں ابھار پیدا کرنا۔[75]

---

[67] ایضاً، دفعات 8 تا 15۔

[68] ایضاً، دفعہ 16۔

[69] ان میں بعض حقوق پاکستان میں موجود تمام "اشخاص" کو حاصل ہیں، خواہ وہ شہری بھی نہ ہوں۔

[70] ماورائے صنف اشخاص کا قانون، دفعہ 10۔

[71] اس بات کے نتائج و عواقب کو سمجھنے کے لیے ایک دفعہ پھر ماورائے صنف شخص کی تعریف پر غور کیجیے جس پر ہم اس سلسلے کی ابتدا میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

[72] ماورائے صنف اشخاص کا قانون، دفعہ 12۔

[73] ایضاً، ذیلی شق سی۔

[74] ان قواعد کے ایک خاص پہلو پر نیچے کچھ تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

[75] ماورائے صنف اشخاص (حقوق کا تحفظ) قواعد، 2020ء، قاعدہ 2(1)(ایچ)۔

واضح رہے کہ جہاں قانون میں کسی تصور کی تعریف میں "شامل ہیں" (includes) کہا جائے، تو وہ تعریف جامع (comprehensive) یا مکمل (exhaustive) نہیں ہوتی اور اس تعریف میں اور بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے جو یہاں الفاظ میں ذکر نہ کیا گیا ہو۔ بہ الفاظِ دیگر، یہ تعریف صرف ان امور کی چند مثالیں پیش کر رہی ہے، وہ جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے کہ علی سبیل المثال، لاالحصر۔

ان سارے امور اور ان سارے حقوق کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ صرف خنثیٰ یا خواجہ سرا کے ساتھ متعلق ہوتے، تو ان پر بحث کی جا سکتی تھی کہ ان میں کیا کچھ قابلِ قبول ہے اور کیا کچھ مسترد کیا جانا چاہیے، لیکن جب یہ سب کچھ ان افراد کے لیے بھی میسر ہے جو خواہ جسمانی طور پر مرد یا عورت ہوں لیکن محض اپنے ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف کی بنا پر اپنی صنف چھوڑ کر کوئی اور صنف اختیار کر چکے ہوں، تو پھر ان میں کچھ بھی قابلِ قبول نہیں رہتا۔

قانون میں ان لوگوں کے لیے 6 ماہ کی قید یا 50 ہزار روپے جرمانے (یا دونوں) کی سزا مقرر کی گئی ہے جو کسی ماورائے صنف شخص کو بھیک مانگنے پر مجبور یا اس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔[76] اس دفعہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ البتہ اس امر کی تصریح ضروری ہے کہ خواجہ سرا اور خنثیٰ کو مجرمانہ مقاصد کے لیے استعمال کرنے والوں کے خلاف تفصیلی قانون سازی کی ضرورت ہے۔ صرف ماورائے صنف اشخاص کے متعلق قانون میں اس معمولی تصریح سے اس سنگین مسئلے کا حل نہیں نکالا جا سکتا۔

آخری دفعات

آخر میں عمومی نوعیت کی دفعات ہیں[77] جو آج کل پارلیمان تقریباً ہر قانون میں ڈالتی ہے لیکن ان میں خصوصاً دفعہ 19 انتہائی خطرناک نتائج کی حامل ہے۔ اس دفعہ کی رو سے اس قانون کو دیگر تمام رائج الوقت قوانین پر بالاتر حیثیت (overriding effect) دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور قانون کے ساتھ تعارض کی صورت میں اس قانون پر عمل درآمد کیا جائے گا!

اس کے نتائج کے لیے اس مثال پر غور کریں کہ اگر کوئی شخص جسمانی طور پر مرد ہو لیکن وہ ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف کی چھتری استعمال کرتے ہوئے ایک بیانِ حلفی پر اپنی صنف تبدیل کرے اور یوں وہ "ماورائے صنف عورت" بن جائے، تو شناختی کارڈ اور دیگر قانونی دستاویزات میں اب اسے عورت لکھا اور پکارا جائے گا۔ اب یہ عورت، یا ماورائے صنف عورت یا مخنث، اگر کسی مرد سے شادی کرنا چاہے، تو قانون کی رو سے اس سے نہیں روکا جا سکے گا کیونکہ قانون تو اسے عورت مانے گا اور عورت کا مرد سے نکاح پاکستان کے قانون کی رو سے ہو سکتا ہے۔ مسلم پرسنل لا شریعت اپیلی کیشن ایکٹ، 1962ء، کی دفعہ 2 کے تحت پاکستان میں مسلمانوں کی شادی کے لیے قانون کی حیثیت شریعت کو حاصل ہے، لیکن یہ حیثیت ہے "قانون کے تابع"، اور جیسا کہ پیچھے واضح کیا گیا، جہاں قانون موجود ہو، وہاں قانون پر عمل ہو گا اور قانون نہ ہو، تو پھر شریعت پر عمل ہو گا۔ اب اس کے ساتھ اس موجودہ قانون کی دفعہ 19 ملائیے جس نے اس قانون کو 1962ء کے اس قانون سمیت تمام قوانین پر بالاتر حیثیت دے دی ہے، اور اس قانون میں بتایا گیا ہے کہ صنف کا تعین کسی شخص کے ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف کے ذریعے کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر یہ شخص خود کو عورت کہتا ہے، تو اسے عورت ہی مانا جائے گا اور اس عورت کا کسی مرد سے نکاح جائز ہو گا۔ یہ وہ پہلو ہے جس سے یہ قانون ہم جنس پرستی کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ اس پہلو پر مزید بحث نیچے آ رہی ہے جہاں خنثیٰ اور خواجہ سرا کے لیے شادی کے حق پر شریعت کی روشنی میں بات کی جائے گی۔

---

[76] ماورائے صنف اشخاص کا قانون، دفعہ 17۔

[77] ایضاً، دفعہ 18 سے 21۔

اس قانون کا ہم جنس پرستی کے ساتھ تعلق

اس قانون پر ایک عام اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس نے ہم جنس پرستی کے لیے گنجائش پیدا کر لی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اعتراض بالکل درست ہے۔ اس کا ایک پہلو تو یہ ہے، جیسا کہ واضح کیا گیا، کہ اس قانون کے نتیجے میں جسمانی مرد کو خود کو عورت، اور جسمانی عورت کو خود کو مرد کہلوانے کا حق حاصل ہو گیا ہے۔ پھر اگر قانون نے کسی جسمانی مرد کو عورت مان لیا ہے، تو اگر یہ نام نہاد عورت کسی اور مرد سے شادی کرے، تو کیا یہ ہم جنس پرستی نہیں ہو گی؟ اس پہلو پر مزید بحث نیچے آ رہی ہے جہاں ہم خنثیٰ کے لیے شرعی حقوق، بالخصوص شادی کے حق، پر بات کریں گے۔

دوسرا پہلو اس معاملے کا یہ ہے کہ یہ قانون دراصل یوگیاکارٹا اصولوں کی پابندی یقینی بنانے کے لیے وضع کیا گیا ہے، اور ہم واضح کر چکے ہیں کہ یوگیاکارٹا اصولوں نے صنفی مساوات کے نام پر نہ صرف ہم جنس پرستی بلکہ جنسی بے راہ روی کی ہر صورت کو جائز حق قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ اس بات کا اضافہ کیجیے کہ دنیا کے ہر ملک میں ٹرانس جینڈرز کے حقوق کی بات ہم جنس پرستی اور جنسی آزادی کے "حق" کے ساتھ کی جاتی ہے۔ قریب کی مثال بھارت میں دیکھ لیجیے جہاں ٹرانس جینڈرز کے حقوق کے لیے کام کرنے والی این جی او "ناز" نے بھارت کے مجموعۂ تعزیرات سے ہم جنس پرستی کی سزا کے خاتمے کے لیے بھی جدوجہد کی[78] اور بالآخر بھارت کی سپریم کورٹ سے یہ فیصلہ لینے میں کامیاب ہو گئی کہ مجموعۂ تعزیرات کی مذکورہ دفعہ بھارتی آئین میں مذکور شہریوں کے بنیادی حقوق، بالخصوص مساوات کے حق اور جنس کی بنیاد پر امتیازی سلوک کی ممانعت، کے خلاف ہے اور اس بنا پر بھارتی سپریم کورٹ نے اس دفعہ کو کالعدم کر دیا۔[79] واضح رہے کہ پاکستان میں بھی ٹرانس جینڈرز کے حقوق کے لیے کام کرنے والی این جی او "ناز" ہی کے نام سے ہے۔[80]

---

[78] ناز فاؤنڈیشن کی آفیشل ویب سائٹ پر متعلقہ تفصیلات ملاحظہ کی جا سکتی ہیں:
https://www.nazindia.org/
خصوصاً دیکھیے، 2014ء-2015ء کی سالانہ رپورٹ جس میں ہم جنس پرستی کی سزا کے خاتمے کی جدوجہد کی تفصیل دی گئی ہے:
https://www.nazindia.org/wp-content/uploads/2020/06/Naz-Annual-Report-2014-15.pdf (Last visited: November 30th, 2022).

[79] ناز فاؤنڈیشن نے دہلی ہائی کورٹ میں عوامی مفاد کا مقدمہ (public interest litigation) دائر کیا تھا جس میں دفعہ 377 کو، جس نے ہم جنس پرستی کو جرم قرار دے کر اس پر سزا مقرر کی تھی، بھارت کے آئین میں مذکور شہریوں کے بنیادی حقوق سے تصادم کی بنا پر کالعدم قرار دینے کی استدعا کی گئی تھی۔ (**ناز فاؤنڈیشن بنام حکومتِ قومی دارالحکومت دہلی**) دہلی ہائی کورٹ کے دو رکنی بنچ نے 2004ء میں یہ مقدمہ خارج کر دیا۔ تاہم اپیل میں سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کو مقدمے کی دوبارہ سماعت کا حکم دیا جس پر ہائی کورٹ نے 2009ء میں فیصلہ دیتے ہوئے مجموعۂ تعزیراتِ ہند کی دفعہ 377 کو، جس نے ہم جنس پرستی کو جرم قرار دے کر اس پر سزا مقرر کی تھی، کالعدم کر دیا۔ اس فیصلے کے خلاف حکومت نے تو اپیل نہیں کی، لیکن کئی نجی اپیلیں سپریم کورٹ میں دائر کی گئیں۔ سپریم کورٹ کے دو رکنی بنچ نے ان اپیلوں پر 2013ء میں فیصلہ سنا کر دہلی ہائی کورٹ کا فیصلہ ختم کرتے ہوئے دفعہ 377 بحال کر دی۔ (**سریش کمار کوشل بنام ناز فاؤنڈیشن**) اس فیصلے کے خلاف ناز فاؤنڈیشن نے دوسری نظرِ ثانی کی درخواست دائر کی جسے "معالجے کے لیے نظرِ ثانی" (curative review) کہا جاتا ہے۔ عام اصول یہ ہے کہ اپنے فیصلے کے خلاف عدالت ایک ہی دفعہ نظرِ ثانی کر سکتی ہے لیکن بھارت میں دوسری نظرِ ثانی (جو اصل میں نظرِ ثالث ہوتی ہے) کے لیے بعض صورتوں میں گنجائش پیدا کی گئی ہے جب یہ ثابت ہو کہ آخری فیصلے میں کوئی بہت بڑا ظلم ہوا ہے۔ اس مقصد کے لیے پہلے تین سینیئر ججز کو قائل کرنا پڑتا ہے کہ واقعی فیصلے میں بہت بڑا سقم پایا جاتا ہے جس کا علاج ضروری ہے۔ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد یہ مقدمہ ایک پانچ رکنی لارجر بنچ کے سامنے رکھا گیا جس نے 2018ء میں پچھلا فیصلہ منسوخ کرتے ہوئے دفعہ 377 کو کالعدم قرار دیا اور یوں ہم جنس پرستی بھارت میں جرم نہیں رہا۔ (**نوتج سنگھ جوہر بنام یونین آف انڈیا**، اے آئی آر 2018 سپریم کورٹ 4321)

[80] پاکستان میں "ناز اتحاد برائے صحتِ مردانہ" (Naz Male Health Alliance) کے نام سے تنظیم ٹرانس جینڈرز اور ہم جنس پرستوں کے حقوق کے لیے کام کرتی ہے۔ اسے بین الاقوامی ناز فاؤنڈیشن (Naz Foundation International) کے علاوہ ایشیا فاؤنڈیشن، یو ایس ایڈ اور مقامی سطح پر عورت فاؤنڈیشن اور فورم فار ڈگنٹی انیشیٹو (Forum for Dignity Initiative) کا تعاون حاصل ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

تاہم اگر ایک لمحے کے لیے یہ مان بھی لیا جائے کہ تعلق نہ بھی ہو، تب بھی یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ قانون جن مفروضات پر بنا ہے (کہ جنس اور صنف میں فرق ہے، جنس کا تعلق جسم سے، جبکہ صنف کا تعلق معاشرے میں کردار سے ہے، اور صنف کا اختیار کسی شخص کا ذاتی حق ہے)، وہ مفروضات ہی شریعت سے متصادم ہیں، بلکہ زیادہ مناسب الفاظ میں ان مفروضات کو شریعت سے بغاوت کہا جا سکتا ہے۔

اس قانون کے ذیلی قواعد

ماورائے صنف اشخاص کے قانون میں حکومت کو ذیلی قواعد بنانے کا اختیار بھی دیا گیا۔[81] چنانچہ اس مقصد کے لیے 2020ء میں حکومت نے قواعد بنائے۔ میڈیا پر بعض ٹرانس جینڈر ایکٹوسٹس نے یہ بات بہت زور و شور کے ساتھ پیش کی کہ ایکٹ میں تو صرف تعریف ہے اور طریقِ کار کی تفصیلات ان قواعد میں ہیں۔ ان کی بات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ گویا اصل حیثیت قواعد کو حاصل ہے، حالانکہ قانون کا ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ قواعد تو ایکٹ کے تحت ہی بنائے جاتے ہیں اور وہ ہر حال میں ایکٹ کے ماتحت ہوتے ہیں اور اگر کہیں قواعد اور ایکٹ میں تعارض ہو، تو فوقیت ایکٹ کو حاصل ہوتی ہے اور عمل ایکٹ پر ہی ہوتا ہے۔ بہر حال غلط فہمی پھیلاتے ہوئے کہا گیا کہ قواعد کے تحت مرد کو خاتون کا، یا خاتون کو مرد کا، کارڈ نہیں ملتا بلکہ صرف خواجہ سرا کو خواجہ سرا کا کارڈ، یعنی ایکس کارڈ، ملتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ شناختی کارڈ میں صنف کے خانے میں تبدیلی سے قبل میڈیکل چیک اپ کرایا جاتا ہے۔ یہ دونوں باتیں محض غلط بیانی پر مبنی ہیں۔

ان قواعد میں شناختی کارڈ کے حصول کے لیے دو صورتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ پہلی دفعہ 18 سال کی عمر تک پہنچنے پر شناختی کارڈ کے حصول کے لیے کوئی شخص درخواست دے؛ اور دوسری یہ کہ وہ لوگ جنھیں ان قواعد اور اس قانون کے بننے سے قبل شناختی کارڈ جاری کیے گئے ہیں اور اب وہ شناختی کارڈ میں صنف کے خانے میں تبدیلی کے لیے درخواست دیتے ہیں۔ پہلی صورت کے متعلق تصریح کی گئی ہے کہ اس میں صنف کا اندراج درخواست گزار کے ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف کے مطابق کیا جائے گا۔[82] یہاں نہ ہی طبّی جانچ کا کوئی مطالبہ ہے، نہ ہی کوئی اور پوچھ گچھ، نہ "ایکس" کارڈ جاری کرنے کا ذکر۔ دوسری صورت میں، جب ان لوگوں میں سے کوئی، جنھیں پہلے ہی شناختی کارڈ جاری کیے جا چکے ہیں اور ان کے صنف کا اندراج پہلے سے ہو چکا ہے، اگر شناختی کارڈ میں اپنی صنف تبدیل کرنا چاہیں، تو ان کے لیے یہ طریقِ کار وضع کیا گیا ہے کہ ان کی درخواست آنے پر پہلے مرحلے میں کاغذات میں ایکس درج کیا جائے گا۔ پھر جب پرانا شناختی کارڈ موصول ہو جائے تو نادرا (NADRA) پر لازم ہے

"Silent No More: Transgender Community in Pakistan: A Case Study", available on: https://af.org.pk/gep/images/GEP%20Gender%20Studies/Transgender%20Community%20in%20Pakistan.pdf (Last visited: November 30th, 2022).

یہ بھی نوٹ کیجیے کہ پچھلے دنوں جو دو اشخاص ٹرانس جینڈرز کے حقوق کے لیے بات کرنے کے حوالے سے بہت مشہور ہوئے ("مہرب" اور "شہزادی")، دونوں کے متعلق انٹرنیٹ پر اچھا خاصا مواد موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ہم جنس پرست، بلکہ جنسی بے راہ روی کی دیگر قسموں میں بھی مبتلا ہیں۔ اسی طرح ٹرانس جینڈرز کے نام پر بنائی گئی مووی "جوائے لینڈ" کی کہانی میں بعینہ یہ بات دکھائی گئی ہے کہ کیسے ایک شادی شدہ مرد ایک ایسے ماورائے صنف شخص کی "محبت" میں مبتلا ہو جاتا ہے جو جسمانی طور پر مرد ہے لیکن وہ اپنی صنف سے ماورا ہو کر خود عورت کہلواتا ہے اور پھر ان دونوں کا جسمانی تعلق بن جاتا ہے۔ یہ ہم جنس پرستی نہیں، تو اور کیا ہے؟ پاکستان میں پہلے اس مووی پر پابندی لگائی گئی۔ بعد میں وفاقی حکومت نے "بین الاقوامی دباؤ" کے خوف سے یہ پابندی اٹھائی لیکن پنجاب کی حکومت نے ابھی پابندی کو برقرار رکھا ہے۔

[81] ماورائے صنف اشخاص کا قانون، دفعہ 20۔

[82] ماورائے صنف اشخاص کا قانون، ذیلی قواعد، قاعدہ 4۔

(shall کہ وہ نئے شناختی کارڈ میں صنف کا اندراج درخواست گزار کے ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف کے مطابق کرے۔[83] اس قاعدے کی آخری دو شقوں میں یہ بھی تصریح کی گئی ہے کہ صنف کی یہ تبدیلی "معقول وجوہات" (cogent reasons) پیش کرنے پر ایک سے زائد دفعہ بھی کی جاسکتی ہے۔[84]

میڈیا پر یہ بات بھی پھیلائی گئی کہ شناختی کارڈ میں صنف کی تبدیلی اس ایکٹ کے تحت نہیں، بلکہ لاہور ہائی کورٹ کے 2010ء کے فیصلے کے تحت ہوتی ہے جس میں میڈیکل کی شرط رکھی گئی تھی اور وہ ایک طویل پروسیجر ہے۔[85] یہ کیس سرجری یعنی جراحی کے ذریعے جنس کی تبدیلی کا تھا، نہ کہ محض ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف کی وجہ سے صنف تبدیل کرنے کا۔[86] اہم بات یہ ہے کہ یہ کیس اس وقت تھا جب ابھی خواجہ سراؤں کے متعلق سپریم کورٹ کا مستقل فیصلہ (اسلم خاکی کیس) نہیں آیا تھا۔[87] سپریم کورٹ کا حتمی فیصلہ ستمبر 2012ء میں آیا ہے۔ اس کے بعد لاہور ہائی کورٹ یا کسی اور ہائی کورٹ کے فیصلے کی کیا حیثیت رہی؟ نادرا سپریم کورٹ کے فیصلے کو نظر انداز کر کے لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے پر عمل نہیں کر سکتا۔ دراصل لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ اس موضوع پر تھا ہی نہیں، بلکہ وہ ایک الگ مستقل موضوع ہے۔

ہم نے اوپر نوٹ کیا تھا کہ 2012ء کے فیصلے میں اور اس سے قبل اس مقدمے کے مختلف حکمناموں میں سپریم کورٹ نے نادرا کو پابند کیا تھا کہ طبّی جانچ کی بنیاد پر صنف کے خانے میں مرد یا عورت کا اندراج کیا جائے لیکن سپریم کورٹ کے اس حکم سے جان چھڑانے کے لیے ہی تو 2018ء میں یہ ایکٹ لایا گیا جس میں طبّی جانچ کی شرط ہی سرے سے ختم کر دی گئی۔ یہ شرط 2020ء کے قواعد میں بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی اگر نادرا کے کسی آفس میں کوئی کلرک طبّی جانچ کی بات کرتا ہے، تو قانون میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہی اس قانون پر تنقید کی ایک بڑی وجہ ہے۔

آئینِ پاکستان کے ساتھ اس قانون کا تصادم

اس قانون کے غیر اسلامی ہونے پر تو عام طور پر بات کی جاتی رہی ہے لیکن آئینِ پاکستان کی بعض اہم شقوں کے ساتھ اس کے تصادم کا پہلو زیادہ تر لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا ہے۔ اس پہلو سے دو اہم نکات یہاں مختصراً پیش کیے جاتے ہیں:

ایک یہ کہ اٹھارویں آئینی ترمیم کے بعد بہت سارے امور وفاق کے اختیار سے نکل کر صوبوں کے اختیار میں آگئے ہیں اور ان امور پر قانون سازی کا اختیار اب وفاق کے بجائے صوبوں کے پاس ہے۔[88] اس پہلو سے جمعیت علمائے اسلام کی رکنِ قومی اسمبلی محترمہ نعیمہ کشور نے اس

---

[83] ایضاً، قاعدہ 3۔

[84] واضح رہے کہ معقول وجوہات کی شرط ایکٹ میں نہیں ہے اور اس وجہ سے اس شرط کو ایکٹ پر اضافہ اور ایکٹ کے خلاف ہونے کی بنا پر کالعدم کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اسے کالعدم کیے بغیر موجودہ حالت میں ہی دیکھ لیجیے کہ یہ قاعدہ کیا کہہ رہا ہے اور میڈیا پر کیسے دھڑلے سے غلط بیانی کی جارہی ہے۔

[85] **سمیع سلیم بھٹی بنام وفاقِ پاکستان**، 2010 وائے ایل آر 2114۔

[86] اس کے ساتھ جنس اور صنف کا وہ فرق یاد کیجیے جس پر موجودہ قانون بنا ہے۔

[87] اگرچہ چند حکم نامے آچکے تھے کیونکہ خواجہ سراؤں کے متعلق مقدمہ 2009ء سے سپریم کورٹ میں چل رہا تھا اور اس میں وقتاً فوقتاً حکمنامے آتے رہے، جیسا کہ اوپر ہم نے تفصیل دی ہے۔ مزید غلط بیانی یہ بھی کی جاتی رہی ہے کہ طبّی جانچ کے لیے درخواست ہائی کورٹ میں دائر کرنی پڑتی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسا تب ہوتا تھا جب یہ قانون اور یہ قواعد نہیں بنے تھے اور تب جنس کی تبدیلی کے لیے عمل جراحی کی اجازت ہائی کورٹ سے طلب کی جاتی تھی۔ اب تو اس قانون اور ان قواعد نے طبّی جانچ کی شرط ہی ختم کر دی ہے، تو کہاں کی درخواست اور کون سی ہائی کورٹ؟

[88] وفاقی فہرست قانون سازی کے لیے دیکھیے: آئینِ پاکستان، دفعہ 70 اور چوتھا جدول۔

بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ حقِ وراثت سے متعلق اس مسودۂ قانون کی شقیں ایسی ہیں جن پر قانون سازی کا اختیار پارلیمان کے بجائے صوبائی اسمبلیوں کے پاس ہے، لیکن قومی اسمبلی کے سپیکر جناب ایاز صادق نے اس پر بحث کی اجازت ہی نہیں دی۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ آئینِ پاکستان کی رو سے نہ صرف یہ کہ جنس اور صنف میں فرق نہیں ہے، بلکہ جنس اور صنف کو دو ہی قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس میں کسی تیسری جنس یا صنف کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ چنانچہ مثلاً آئین میں تصریح کی گئی ہے کہ "مذکر صنف" (masculine gender) کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کا اطلاق عورتوں (females) پر بھی ہوتا ہے۔[89] یہاں آئین نے نہ صرف بھی بتایا ہے کہ جنس یا صنف بس دو ہی ہیں بلکہ جنس کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کو صنف کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ اس آخری بات کی مزید تائید ان آئینی دفعات سے ہوتی ہے، جہاں جنس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس کا اطلاق صنف کے مفہوم پر بھی کیا گیا ہے۔[90] مثلاً جہاں امتیازی سلوک کی ممانعت کا ذکر ہے، وہاں جنس کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں یہ صنف کے مترادف بھی ہے:

There shall be no discrimination on the basis of sex.[91]

(جنس کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا۔)

اسی طرح بالخصوص جہاں آئین نے ضرورت اور مصلحت کی بنیاد پر ملازمتوں میں عورتوں یا مردوں کے لیے کوٹا مقرر کرنے کی رخصت دی ہے، وہاں either sex، یعنی دو میں سے کسی ایک جنس، کی ترکیب استعمال کی ہے جس کا صریح مطلب یہ ہے کہ آئین نے دو ہی جنس تسلیم کیے ہیں اور انھی دو جنسوں کا آئین نے دو صنفیں بھی مانا ہے۔ پس آئین کی رو سے نہ تو جنس اور صنف میں فرق ہے، نہ ہی دو سے زائد جنسوں یا صنفوں کی گنجائش ہے۔ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ خواجہ سراؤں کے حقوق سے متعلق مقدمے میں بھی سپریم کورٹ نے جو حکم جاری کیا تھا، اس میں کسی تیسری جنس یا صنف کی بات نہیں تھی، بلکہ طبّی جانچ کے ذریعے جنس کے تعین کی بات تھی۔ اس لیے جنس اور صنف میں فرق کر کے اور دو سے زائد صنفوں کے لیے گنجائش پیدا کر کے موجودہ قانون نے آئینِ پاکستان سے بھی انحراف کیا ہے اور طبّی جانچ کے بغیر جنس یا صنف کی تبدیلی کی اجازت دے کر سپریم کورٹ کے احکامات کی بھی خلاف ورزی کی ہے۔[92]

ماورائے صنف اشخاص کے شرعی حقوق

مذہبی طبقے کے خلاف عام طور پر یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ وہ ماورائے صنف اشخاص کے حقوق سے انکاری ہیں۔ اس لیے چند مختصر نکات اس پہلو پر بھی پیش کیے جاتے ہیں تاکہ بحث مکمل ہو جائے۔

پہلی بات یہ ہے کہ ماورائے صنف اشخاص اور خنثیٰ کو باہم مختلط نہ کریں۔ یہ دو مختلف تصورات ہیں اور ان کا اطلاق دو مختلف حالتوں پر ہوتا ہے۔ جہاں تک خنثیٰ کا تعلق ہے، ہم تفصیل سے واضح کر چکے ہیں کہ یہ کوئی تیسری جنس نہیں ہے، بلکہ شریعت نے ان کے متعلق یہ اصول دیا ہے

---

[89] ایضاً، دفعہ 263(اے)۔

[90] واضح رہے کہ آئین میں صنف (gender) کا لفظ صرف دفعہ 263(اے) میں آیا ہے، جس کا اوپر حوالہ دیا گیا۔ باقی ہر جگہ لفظ جنس (sex) ہی آیا ہے اور اسے صنف کے مفہوم میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔

[91] آئینِ پاکستان، دفعہ 25(2)۔ مزید دیکھیے: ایضاً، دفعات 26(1)، 27(1)، 38(اے) و (ڈی)۔

[92] سینیٹ آف پاکستان میں پی ٹی آئی کی سینیٹر محترمہ فوزیہ ارشد نے ایک ماورائے صنف اشخاص کے قانون میں ترمیمی بل پیش کر کے تین اصناف ذکر کرنے کی تجویز دی: مرد، عورت اور ماورائے صنف۔ تاہم سینیٹ میں پیش کیے جانے پر اس پر جماعتِ اسلامی کے سینیٹر مشتاق احمد خان اور دیگر سینیٹرز کے اعتراض کے بعد، کہ یہ آئین سے متصادم ہے، اسے قائمہ کمیٹی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔

کہ ان کی ظاہری جسمانی علامات کی بناپر یااندرونی تولیدی نظام کی جانچ کے بعد انھیں مرد یاعورت مانا جاتا ہے۔ پھر جب ایک دفعہ انھیں مرد یاعورت مانا گیا، تو شادی اور وراثت سمیت تمام حقوق جو مردوں یاعورتوں کو شریعت نے دیے ہیں، وہ انھیں بھی حاصل ہیں۔ اسی طرح اگر خنثیٰ کو ظاہری جسمانی طور پر یااندرونی تولیدی نظام میں کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہے جس کے لیے اسے علاج کی ضرورت ہے، تو شریعت نے اسے علاج کا حق بھی دیا ہے تاکہ وہ اپنی جسمانی علامات یااندرونی تولیدی نظام کی بناپر مرد یاعورت کے طور پر اپنی زندگی اطمینان کے ساتھ بسر کر سکے۔

اسی طرح خواجہ سرا تو اصلاً مرد ہوتے ہیں لیکن انھیں ان کی مرضی سے یا جبراً خصی کیا جاچکا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود شرعی طور پر انھیں مرد ہی سمجھا جاتا ہے اور یہ ایسی صورت ہو جاتی ہے جیسے شوگر یا کسی اور مرض کی بناپر اگر کوئی مرد جنسی تعلق کے لائق نہ رہ سکے، تو اس کے باوجود اسے مرد ہی شمار کیا جاتا ہے اور اس پر مرد کے شرعی احکام کا ہی اطلاق ہوتا ہے۔ ایسے شخص سے اگر کوئی خاتون جانتے بوجھتے اپنی آزادانہ مرضی سے نکاح کرنا چاہتی ہے، تو شرعاً اسے ناجائز نہیں کہا جاسکتا، اگرچہ اس خاتون کے حقوق کے متعلق حساس افراد اسے ایسی شادی کے خلاف مشورہ دیں گے لیکن ظاہر ہے کہ اپنے حق یا حقوق سے تنازل کے متعلق اسی کا فیصلہ قابل قبول ہوگا۔[93]

البتہ ماورائے صنف اشخاص ایک بالکل ہی الگ تصور ہے کیونکہ یہ ایسی صورت ہے جب کوئی شخص ظاہری جسمانی علامات یااندرونی تولیدی نظام کے بجائے محض اپنی نفسیاتی الجھنوں کی بناپر، یاویسے ہی لذت کی خاطر، خود کو اپنی جنس کے بجائے کوئی اور جنس سمجھنے لگتا ہے اور اصرار کرتا ہے کہ اسے وہ صنف دی جائے جو اسے پسند ہے، خواہ وہ اس کی جسمانی جنس سے مختلف ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ جسمانی نہیں، بلکہ نفسیاتی عارضہ ہے، خواہ اہلِ مغرب نے اسے نفسیاتی عارضوں کی فہرست سے خارج کر دیا ہو۔[94] اس لیے دوسری بات یہ ہے کہ ایسے لوگ جو خود کو ٹرانس جینڈرز قرار دے کر اپنی صنف سے نکل کر کسی اور صنف میں داخل ہونے کے خواہش مند ہیں، انھیں شریعت نے وہ تمام حقوق دیے ہیں جو نفسیاتی عارضے میں مبتلا لوگوں کو دیے جاتے ہیں، جیسے علاج کا حق اور دیکھ بھال کا حق۔ البتہ چونکہ یہ بیماری ہے اور بیماری بھی وہ جو چھوت چھات کی ہے، اس لیے دوسرے لوگوں کو اس بیماری کے اثرات سے بچانے کے لیے انھیں نفسیاتی شفاخانے میں الگ تھلگ رکھ کر ان کا علاج کیا جانا چاہیے، جیسے mental asylum کے دیگر کیسز ہوتے ہیں۔[95]

پھر اگر ان ماورائے صنف اشخاص میں ایسے لوگ ہیں جو ذہنی مریض نہیں ہیں لیکن انھوں نے ذہنی مریضوں کی سی وضع قطع اختیار کی ہے تاکہ جنسی بے راہ روی کو بیماری کا عنوان دے کر خود کو قانون کے اثرات سے بچائیں، تو ایسے لوگوں پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے، بالخصوص ان میں جو صرف خود کو ہی ایسا نہیں بنائے ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی ایسا بننے کی ترغیب دیتے ہیں یا اس کی کوشش کرتے ہیں، تو اس آخری قسم کے ساتھ تعزیری قوانین کے ذریعے نمٹنا چاہیے۔[96]

---

[93] شوہر کی نامردی کی بنیاد پر نیوی تنسیخِ نکاح کا دعوی دائر کر سکتی ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ثابت کرے کہ وہ شادی کے وقت سے ہی نامرد ہے۔ (دیکھیے: مسلم تنسیخِ نکاح کا قانون، 1939ء، دفعہ 2، ذیلی شق 5)۔ البتہ شادی کے بعد نامردی کی صورت پیدا ہونے پر پاکستان میں "عدالتی خلع" کا راستہ موجود جسے پاکستانی عدالتوں نے عورت کا حق قرار دیا ہے اور یہ طے کیا ہے کہ یہ حق عورت کسی بھی ایسی صورت میں استعمال کر سکتی ہے جب وہ شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہے۔ **مسماۃ خورشید بی بی بنام بابو محمد امین**، پی ایل ڈی 1967 سپریم کورٹ 97۔

[94] مغربی ممالک نے 1970ء کی دہائی میں ہم جنس پرستی کو اور 2019ء میں ٹرانس جینڈرزم کو نفسیاتی عوارض کی فہرست سے نکال دیا ہے۔

[95] یہ بات تو کورونا جیسی جسمانی بیماریوں کے معاملے میں بھی دنیا نے مانی ہے بلکہ سب پر مسلط کی ہے کہ بیمار کو دوسروں سے الگ تھلگ رکھا جائے، خواہ وہ چیخے چلائے کہ اس کی آزادی کا حق متاثر ہو رہا ہے۔ ان الگ تھلگ شفاخانوں میں ان کے علاج میں ان پر تشدد نہیں کیا جائے گا، لیکن انھیں بیمار کی حیثیت سے دیکھا جائے گا اور ان کے علاج کی کوشش کی جائے گی۔ (امید ہے کہ علاج کی غرض سے ان کو انجیکشن لگانے یا دوا دینے یا ایکسرسائزز کروانے جیسے امور کو تشدد میں شمار نہیں کیا جائے گا۔)

[96] شریعت نے ایسے امور میں جو گناہوں میں شامل ہیں لیکن جن پر مقررہ سزا نہیں ہے، حکومت کو اختیار دیا ہے کہ وہ ان کی روک تھام کے لیے مناسب اقدامات کرے اور ضرورت پڑنے پر مناسب سزا بھی دے، اگر یہ امور معاشرے میں فساد پھیلانے کے باعث ہوں۔ حکومت کے اس اختیار کو سیاسہ شرعیہ کہتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

تیسری بات یہ ہے کہ اس مؤخر الذکر قسم میں شامل افراد کے لیے وہ سارے حقوق تسلیم دستیاب رہیں گے جو شریعت نے کسی بھی ملزم کے لیے تسلیم کیے ہیں۔ مثلاً انھیں مجرم نہیں مانا جائے گا جب تک ان کے خلاف الزام ثابت نہ ہو، انھیں صفائی کا اور دفاع کا حق ہو گا، انھیں اپنے خلاف گواہی پر مجبور نہیں کیا جائے گا، وغیرہ۔ البتہ انھیں اپنی پسند سے صنف تبدیل کرنے کا حق یا اپنی جسمانی جنس کے خلاف صنف چننے کے بعد اس صنف کے مقابل صنف کے ساتھ شادی کا حق شریعت نے نہیں دیا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جب ایک دفعہ اس آخری قسم کے کسی فرد کا جرم ثابت ہو جائے، تو اس کے بعد اسے وہ حقوق میسر ہوں گے جو شریعت نے مجرموں کے لیے دیے ہیں۔ مثلاً عدالت نے اسے جو سزا دی اس کے سوا اسے کوئی اور سزا نہیں دینا؛ ایک جرم پر بار بار سزا نہیں دینا، البتہ بار بار ارتکاب کرے تو ہر بار کے لیے الگ الگ سزا دی جاسکتی ہے، عادی مجرم ہو تو کڑی سزا بھی دی جاسکتی ہے؛ سزا کاٹنے کے دوران میں بھی اس کے کھانے پینے، صحت اور دیگر متعلقہ امور کی دیکھ بھال، سزا کاٹ کر، یا توبہ تائب ہونے کی صورت میں اس کا ماضی یاد دلا کر اسے عار دلانے کی ممانعت وغیرہ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خنثیٰ کو تو جنس کے تعین کے بعد اسی جنس کے تمام حقوق میسر ہوں گے۔ ماورائے صنف اشخاص کے لیے تین طرح کے حقوق میسر ہیں:

اگر وہ ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں، تو ذہنی بیماروں کے حقوق؛

اگر ان پر الزام ہے کہ وہ بیمار نہیں ہیں بلکہ جھوٹ موٹ خود کو بیمار بنا کر پیش کر رہے ہیں تاکہ اپنی جنسی بے راہ روی کو جواز دیں یا دوسروں کو گمراہ کریں، تو ملزموں کے حقوق؛ اور

اگر ان پر الزام درست ثابت ہو جائے، تو مجرموں کے حقوق۔

شادی کا حق؟

اگر کوئی شخص جسمانی طور پر مرد ہے لیکن خود کو عورت سمجھتا ہے اور اس وجہ سے اس قانون کی رو سے نادرا پابند ہے کہ اسے "ماورائے صنف عورت" قرار دے، تو اس ماورائے صنف عورت کی شادی کسی عورت سے ہو گی یا مرد سے؟ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس قانون میں تو شادی کے متعلق کچھ ہے ہی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کہ اگر قانون میں کچھ نہیں ہے، تو یہ کیا یہ ماورائے صنف اشخاص، جو اس قانون کے بنانے والوں کے خیال میں پہلے ہی بہت مظلوم ہیں، شادی نہیں کریں گے؟ کیا یہ ان پر مزید ظلم نہیں ہو گا؟ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر اس قانون نے ان کے لیے شادی کے حق کی بات نہیں کی ہے، تو ان کی شادی پر پابندی بھی تو عائد نہیں کی ہے۔ تو اگر آج نہ سہی، کچھ عرصے بعد یہ شادی کرنا چاہیں، تو کس سے کریں گے؟[97] اس سوال کے جواب سے ہی اس قانون کا ہم جنس پرستی کے ساتھ تعلق معلوم ہوتا ہے۔

Muhammad Mushtaq Ahmad, "The Doctrine of *Siyasah* in the Hanafi Criminal Law and Its Relevance foe the Pakistani Legal System", *Islamic Studies* 52:1 (2015), 29-55.

[97] دوسری جانب، جیسا کہ پیچھے واضح کیا گیا، اسلامی شریعت نے خنثیٰ کے لیے (نہ کہ ٹرانس جینڈر کے لیے) شادی کا حق تسلیم کیا ہے۔ یہ واضح رہے کہ یہ بات خنثیٰ غیر مشکل کے متعلق ہے۔ اگر خنثیٰ مشکل ہے، تو جب تک اس مشکل کا فیصلہ نہیں ہو جاتا، اسے شادی کا حق نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس طرح ہم جنس پرستی کا راستہ کھلنے کا احتمال ہوتا ہے جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ البتہ جب مشکل دور ہو جائے، خواہ بلوغت کے بعد مردانہ یا زنانہ علامات کے نمودار ہونے کی وجہ سے ہو، یا اندرونی نظام تولید کے طبّی جانچ کے ذریعے، تو پھر اس پر اسی صنف، مرد یا عورت، کا اطلاق ہو گا جس صنف کو اس کی جسمانی علامات یا تولیدی نظام کی بنا پر متعین کیا گیا۔

جنس کی تبدیلی یا جنس کا تعین؟

اس موضوع پر بحث میں بعض اوقات یہ غلط فہمی بھی پیدا ہوتی ہے کہ شاید یہ معاملہ "تبدیلیِ جنس" کا ہو۔ اس مقالے میں تفصیل سے واضح کیا گیا ہے کہ چونکہ ماورائے صنف شخص کا تصور کسی شخص کے جسم کے بجائے اس کے ذاتی احساس پر مبنی ہے اور اسی وجہ سے یہ قانون جنس اور صنف میں فرق کے مفروضے پر قائم ہے، اس لیے ماورائے صنف اشخاص کے لیے جنس کی تبدیلی کوئی معنی نہیں رکھتی اور وہ جنس کی تبدیلی کے بغیر اپنی مرضی کی صنف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ کوئی مرد جسمانی طور پر مرد ہوتے ہوئے بھی اپنے ذاتی احساس کی بنا پر عورت کی شناخت حاصل کر کے ماورائے صنف عورت کہلاتا ہے۔[98]

یہ بات بھی اہم ہے کہ طبّی طور پر بھی تاحال جنس کی تبدیلی ممکن نہیں ہے کیونکہ جنس تو کروموسومز کی بنیاد پر بنتی ہے اور ابھی تک ایسا کوئی طریقہ ایجاد نہیں کیا جا سکا کہ کسی شخص کے کروموسومز میں تبدیلی کر کے اس کی جسمانی جنس تبدیل کر لی جائے۔ درحقیقت یہ معاملہ جنس کی تبدیلی کے بجائے جنس کے تعین کا ہوتا ہے اور یہ مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں جنس کے تعین میں مشکلات یا ابہامات ہوں۔[99] یہ ابہامات مختلف امور کی بنا پر ہوتے ہیں اور ان کا تعلق بھی بنیادی طور پر کروموسومز کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کی وجہ سے جسم کی ساخت میں بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور اس وجہ سے پیدائش کے بعد جسمانی علامات کی بنا پر جنس کا تعین مشکل ہوتا ہے اور وہ صورت پیدا ہو جاتی ہے جسے شریعت کی اصطلاح میں "خنثیٰ" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، بلوغت کے بعد عموماً ایسی علامات ظاہر ہو جاتی ہیں جن کی بنا پر خنثیٰ کی جنس کا تعین ممکن ہو جاتا ہے،[100] لیکن بعض اوقات بلوغت کے بعد بھی یہ مشکل برقرار رہتی ہے۔ ایسی صورت میں طبّی علوم میں ترقی کی بنا پر ممکن ہو سکا ہے کہ اندرونی تولیدی نظام کی جانچ کے ذریعے جنس کا تعین کیا جا سکے، بلکہ اس جانچ کے ذریعے جنس کا تعین تو بلوغت سے پہلے بھی اب ممکن ہو گیا ہے۔ کبھی عام طبّی تدابیر سے جنس کا تعین ہو جاتا ہے، لیکن بعض اوقات اس کے لیے جراحی (surgery) کا عمل ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی کو عرفِ عام میں تبدیلیِ جنس کہتے ہیں حالانکہ یہ جنس کی تبدیلی کا نہیں، بلکہ تعین کا عمل ہوتا ہے۔[101] جنس کے تعین سے پہلے اور بعد میں اس مشکل کے شکار شخص کو بہت سے جسمانی اور نفسیاتی عوارض بھی لاحق ہو سکتے ہیں جن کے علاج کے لیے بھرپور توجہ، ہمدردی اور نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا ہمارا معاشرہ ایسے لوگوں کی دیکھ بھال کی شرعی ذمہ داری پوری کرتا ہے؟

پس چہ باید کرد؟

اس مقالے میں پیش کیے گئے تفصیلی تجزیے سے معلوم ہوا کہ ماورائے صنف اشخاص کے حقوق کے تحفظ کے نام پر جو قانون بنایا گیا ہے، وہ شریعت کے بنیادی ترین احکام سے بغاوت پر مبنی ہونے کے علاوہ اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے آئین سے بھی متصادم ہے۔ اس لیے ضرورت اس

---

[98] البتہ مرضی کی صنف حاصل کرنے کے بعد ہارمون تھراپی اور دیگر مصنوعی طریقوں سے وہ بعض اعضا میں تبدیلی کا شوق رکھتے ہیں اور اس بنا پر اس قانون اور ذیلی قواعد میں اس مقصد کے لیے سہولیات فراہم کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

[99] انھیں طب کی اصطلاح میں congenital ambiguities کہتے ہیں۔

[100] جیسے احتلام کو مرد کی جنس کی، اور حیض کو عورت کی جنس کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

[101] اس موضوع پر ایک عمدہ تحقیق کے لیے دیکھیے: مفتی فداء اللہ، **تغییرِ جنس کا مسئلہ: طبّی اور شرعی پہلو**۔ مفتی صاحب جامعہ دار العلوم کراچی کے شعبہ دار التصنیف سے وابستہ ہیں اور میڈیکل ڈاکٹر بھی ہیں۔

امر کی ہے کہ اس قانون کو فوری طور پر منسوخ کرنے، یا کم از کم اس کی سب سے زیادہ نقصان دہ شقوں کو ختم کرنے، کی بھرپور کوشش کی جائے۔اس مقصد کے لیے آئینی اور قانونی طور پر دو راستے ہیں: ایک پارلیمانی اور ایک عدالتی۔

پہلے عدالتی راستہ دیکھ لیجیے۔ یہاں دو امکانات ہیں اور ابھی تک اس قانون کے خلاف عدالتوں میں جانے والے افراد نے ایک ہی امکان کو استعمال کیا ہے۔ وہ امکان وفاقی شرعی عدالت میں اس قانون کے خلاف شریعت درخواست دائر کرنے کا ہے۔ آئین میں تصریح کی گئی ہے کہ کسی بھی ایسے قانون کے خلاف جو شریعت سے متصادم ہو، شرعی عدالت میں درخواست دائر کی جاسکتی ہے اور عدالت ایسے قانون کو تصادم کی حد تک کالعدم قرار دے سکتی ہے۔[102] ایسی کئی درخواستیں شرعی عدالت میں 2018ء سے زیرِ التوا ہیں لیکن تادمِ تحریر ان پر عدالت نے فیصلہ نہیں دیا۔[103] یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ شرعی عدالت ان پر فیصلہ دے بھی دے اور ان کو شریعت سے تصادم کی بنا پر کالعدم قرار بھی دے، تب بھی اس فیصلے کو بہت آسانی سے معطل کیا جاسکتا ہے کیونکہ آئین میں تصریح کی گئی ہے کہ جب شرعی عدالت کا فیصلہ تب تک مؤثر نہیں ہوگا جب تک اس کے خلاف اپیل دائر کرنے کی مدت گزر نہ جائے،[104] اور یہ کہ اپیل دائر کی گئی ہو تو جب تک سپریم کورٹ اس اپیل پر فیصلہ سنا نہ دے۔[105] یہی وجہ ہے کہ کئی قوانین کے خلاف شرعی عدالت نے فیصلے دیے ہوئے ہیں لیکن وہ کئی عشروں سے معطل ہیں۔[106] جب مذکورہ آئینی شق ختم نہ کی جائے، شرعی عدالت کے فیصلوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی اور ان کو بہت آسانی سے غیر مؤثر کیا جاسکے گا۔ اس آئینی شق کے خاتمے کے لیے بھی پارلیمان ہی کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔

اس لیے ایک تو پارلیمان سے ایسی آئینی ترمیم منظور کرنے کی ضرورت ہے جو اس شق کا خاتمہ کردے اور یہ امر خوش آئند ہے کہ سینیٹر مشتاق احمد خان نے اس مقصد کے لیے سینیٹ آف پاکستان میں آئینی ترمیمی بل پیش کر دیا ہے۔ اس آئینی ترمیم کی جلد از جلد منظوری وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کے بعد ہی شرعی عدالت کے فیصلے مؤثر ہوں گے اور وہ تب تک معطل نہیں ہوں گے جب تک سپریم کورٹ کا شریعت اپیلیٹ بنچ اس کے خلاف سٹے آرڈر جاری نہ کرے۔ اس وقت تو کسی سٹے آرڈر کے بغیر ہی صرف اپیل دائر کر دینے سے شرعی عدالت کا فیصلہ معطل ہو جاتا ہے۔

اس قانون کے خلاف عدالتی راستہ اختیار کرنے کا دوسرا امکان یہ ہے کہ اس کی ان شقوں کے خلاف، جو آئینِ پاکستان سے متصادم ہیں، ہائی کورٹس میں آئینی درخواستیں دائر کی جائیں۔ ابھی تک عدالتی راستہ اختیار کرنے والوں نے صرف شرعی عدالت ہی کا رخ کیا ہے اور وہاں

---

[102] آئینِ پاکستان، دفعہ 203ڈی۔

[103] اس کا ایک سبب شرعی عدالت میں ججز کی کمی بھی ہے۔ آئین کی رو سے اس عدالت میں آٹھ جج ہو سکتے ہیں جن میں عالم ججز کی تعداد تین ہو سکتی ہے، لیکن بہت طویل عرصے سے اس عدالت میں تین سے زیادہ ججز نہیں رہے اور ان میں صرف ایک عالم جج ہوتا تھا۔ اس وقت صورتِ حال زیادہ خراب ہے کیونکہ اس وقت اس عدالت میں صرف دو ججز ہیں جن میں ایک کو عالم جج کی حیثیت سے لیا گیا ہے۔

[104] شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف عام افراد کی جانب سے ساٹھ دنوں کے اندر، جبکہ حکومت کی جانب سے چھے مہینوں کے اندر اپیل دائر کی جاسکتی ہے۔ آئینِ پاکستان، دفعہ 203ایف(1)۔

[105] ایضاً، دفعہ 203ڈی(2)۔

[106] مثال کے طور پر کورٹ فیس ایکٹ کے خلاف شرعی عدالت نے 1991ء میں فیصلہ دیا ہے لیکن اکتیس سالوں سے اس فیصلے کے خلاف اپیل سپریم کورٹ کے سامنے معلق ہے جس کی بنا پر شرعی عدالت کا یہ فیصلہ غیر مؤثر ہے۔ اسی طرح مسلم فیملی لاز آرڈی نینس کی بعض شقوں کے خلاف شرعی عدالت نے 1999ء میں فیصلہ دیا ہے لیکن اپیلیں معلق ہونے کی بنا پر یہ فیصلہ آج تک غیر مؤثر ہے۔

شریعت درخواستیں دائر کی ہیں۔[107] آئینی شقوں سے تصادم کی بنا پر ہائی کورٹس میں آئینی درخواستیں دائر کرنے کا راستہ ابھی تک کسی نے نہیں آزمایا۔ واضح رہے کہ عوامی مفاد کے امور میں ایسی آئینی درخواستیں براہِ راست سپریم کورٹ میں بھی دائر کی جاسکتی ہیں۔[108]

ماورائے صنف اشخاص کے متعلق قانون کے ختم کرنے یا اس سے غیر اسلامی شقیں دور کرنے کا دوسرا راستہ پارلیمان ہی کا ہے۔ اس مقصد کے لیے سینیٹ میں نومبر 2021ء میں سینیٹر مشتاق احمد خان پہلے ہی ترمیمی بل پیش کر چکے ہیں۔ بدقسمتی سے اس بل پر سینیٹ کی کارروائی بہت ہی سست رفتاری سے جارہی ہے۔ سینیٹ کے قواعد کے مطابق سینیٹ کی قائمہ کمیٹی پر لازم تھا کہ وہ اس بل پر ایک مہینے کے اندر اپنی رپورٹ سینیٹ میں جمع کرائے لیکن اس پر بحث ہی دس ماہ بعد ستمبر 2022ء میں شروع کی گئی۔ پھر جب اس موقع پر سینیٹر صاحب نے اس معاملے پر تفصیلی تنقید کی اور یہ معاملہ میڈیا پر بھی اٹھایا، تو ایک جانب اس کا اثر یہ ہوا کہ جمعیت علماے اسلام (مولانا فضل الرحمان گروپ) جو حکومتی اتحاد کا حصہ ہے، کو بھی اس قانون کے خلاف اپنی جانب سے ترمیمی بل لانا پڑا، تو دوسری جانب قائمہ کمیٹی کے سربراہ پاکستان تحریکِ انصاف کے سینیٹر ولید اقبال نے سینیٹ کے چیئرمین سے اجازت لے کر اس معاملے کو ایک مہینے تک مؤخر کر دیا۔ تب سے تادمِ تحریر اس معاملے پر سینیٹ میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ سینیٹ میں اس بل کی فوری منظوری یقینی بنانے کے لیے بھرپور کوشش کی جائے۔

پارلیمان میں اس قانون کی یکسر منسوخی کے بجاے صرف چند انتہائی اہم دفعات کی منسوخی یا ترمیم کا راستہ بھی اپنایا جاسکتا ہے، جیسا کہ سینیٹر مشتاق احمد خان کے پیش کردہ ترمیمی بل میں کیا گیا ہے، اور یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس قانون میں جزوی ترامیم کے بجاے، یا اس کے ساتھ ساتھ، خنثیٰ افراد کے شرعی حقوق کے لیے شریعت کی روشنی میں مناسب قانون سازی کی جائے۔ اس مقصد کے لیے بھی سینیٹر مشتاق احمد خان نے ایک الگ بل پیش کیا ہے۔[109] اس بل کی منظوری سے نہ صرف ماورائے صنف افراد کی جانب سے خواجہ سراؤں اور خنثیٰ کا نام استعمال کرنے کی مذموم کوشش کا راستہ بند ہو جائے گا، بلکہ ان حقیقی مظلوم افراد کے شرعی حقوق کا تحفظ بھی یقینی بنایا جائے گا۔

---

[107] آئین پاکستان کی دفعہ 199 کے تحت ایسی درخواستیں دائر کی جاسکتی ہیں۔

[108] دیکھیے آئین پاکستان کی دفعہ 184(3)۔

[109] اس مجوزہ قانون کا نام انھوں نے یہ رکھا ہے: خنثیٰ اشخاص (حقوق کا تحفظ) قانون، 2022ء۔